



**DEVELOPMENT OF ARABIC LITERATURE  
DURING THE REIGN OF AKBAR-SHAHJAHAN  
(1556 TO 1658 A.D.)**

THESIS SUBMITTED FOR THE DEGREE OF  
**Doctor of Philosophy**  
in  
**ARABIC**

by  
**Mohd. Ibrahim**

Under the supervision of  
**Mr. TARIQ MUKHTAR**

DEPARTMENT OF ARABIC  
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY  
ALIGARH (INDIA)

**1997**



# رکبہ شاہجہاں کے دورِ حکومت میں عربی ادب کا ارتقاء

(۱۵۵۶ء تا ۱۶۵۸ء)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی

ننگراں:

جناب طارق مختار صاحب

پیشکش:

محمد ابراہیم

شعبہ عربی

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

۱۹۹۷ء



**T5205**



Phones { External : 7162  
Internal : 234

**DEPARTMENT OF ARABIC**  
**ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY**  
**ALIGARH- 202 002**

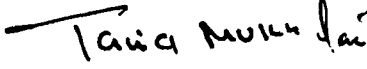
Dated 28/10/57

**TO WHOM IT MAY CONCERN**

This is to certified that **Mr. Mohd. Ibrahim**  
a research scholar in the Department has  
completed his Ph.D. thesis entitled,

**"Development of Arabic Literature during the  
Reign of Akbar-Shahjahan (1556 to 1658 AD)"**

under my supervision. The work is original and  
satisfactory. Now it is forwarded for the award  
of Ph.D. degree from Aligarh Muslim University,  
Aligarh.

  
**(TARIQ MUKHTAR)**  
Supervisor

(۱)

## فهرست مضامین

۲ — ۱۰	مقدمه
	باب اول :
۱۱ — ۱۲۰	اکبری عهد
	باب دوم :
۱۲۱ — ۱۴۰	جهانگیری عهد
	باب سوم :
۱۴۱ — ۲۴۰	شاهجهانی عهد
۲۴۰ — ۲۴۵	مصادر و ماخذ

## مقدمہ

ہندوستان کو اپنی زرخیزی کی وجہ سے ہمیشہ ہی تجارتی منڈی کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عرب و ہند کے درمیان قدیم زمانہ سے تجارتی تعلقات پائے جاتے ہیں۔ ان روابط کے طبعی اثرات یہاں کی مقامی بولیوں اور خود عربی زبان میں محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ طویل مدتی تعلقات کے باوجود یہاں کی سرزمین پر عربی زبان کو فروغ نہ مل سکا۔ ۹۲ھ بمطابق ۷۱۱ء میں جب محمد بن قاسم نے دیبل پر حملہ کیا اور سندھ کو خلافت اسلامیہ کے قلمرو میں داخل کر دیا تو پھر عرب و ہند کے درمیان سیاسی یگانگت بھی پیدا ہو گئی اور عربوں کی بڑی تعداد یہاں آکر آباد ہو گئی جو عربی زبان کے ساتھ اسلامی علوم سے بھی آراستہ تھی۔ رفتہ رفتہ اسلام اور اس کی تعلیمات کی کثرت نے یہاں کے بہت سے باشندوں کو حلقہ بگوش اسلام بنادیا۔ دیکھتے دیکھتے سندھ اسلامی علوم و فنون اور عربی زبان و ادب سے مالا مال ہو گیا۔

عربوں کے عہد حکومت میں علاقہ سندھ عربی زبان و ادب اور اسلامی تعلیمات کا مرکز بن گیا، چنانچہ یہاں بڑے بڑے اصحاب علم، مفسرین، محدثین، فقہاء، متکلمین ادباء اور شعراء کی قابل ذکر تعداد پیدا ہوئی، اس سرزمین میں ایسے باکمال، حبیب العزہ حضرات اٹھے جنہوں نے علمی دنیا میں اپنی عظمت کا لوہا منوایا۔ ان میں ایسے خوش قسمت بچائے جنہوں نے صحابہ اور تابعین سے اخذ فیض کیا تھا اور جنہے عراق،

عجاز اور دمشق کے علماء نے استفادہ کیا اور روایتیں بیان کیں۔ (۳) چند مشہور اصحاب فضل و کمال کے اسما و گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

امام مکحول بن عبد اللہ سندھی شامی (م ۱۱۲ / ۱۱۳ هـ) یہ شامیوں کے مشہور محدث ہیں۔ ابو مقرب بن عبد الرحمن سندھی (م ۱۲۰ هـ) محمد بن نجیح سندھی المحدث الاخباری (م ۲۲۷ / ۲۲۸ هـ)، شاعر و ادیب کشاجم بن حسن بن شاہک سندھی رملی (م ۳۲۰ هـ)، مشہور حافظ حدیث ابو محمد خلف بن سالم (م ۴۳۱ هـ)، امام نسائی نے اپنی کتاب میں ان کی روایت درج کی ہے۔ سندھی بن علی (تیسری صدی ہجری) انہوں نے دس اجزاء پر مشتمل ”کتاب الشریکۃ“ کے نام سے ایک تالیف مرتب کی، ادیب و شاعر ابو مصلح سندھی، موصوف نے تیس اوراق پر مشتمل ایک کتابچہ تصنیف کیا تھا۔ ہندوستان کی مدح میں ان کا ایک قصیدہ بھی ملتا ہے۔ علی بن احمد دیلمی (۲ تیسری صدی ہجری) یہ مشہور نقیہ تھے۔ کتاب ادب القامی ”آپ ہی کی تصنیف ہے۔ محمد بن ابراہیم دیلمی سندھی (م ۴۲۲) آپ محدث مکہ کہلاتے ہیں۔ لہ

سندھ میں عربوں کی حکومت کے قیام سے دیلمیوں کے قبضے تک یہاں کی مذہبی

---

۱۔ مروج الذهب ج ۱ / ص ۷۷-۷۸، الغرر المست ۴۰-۲۳۲۔

تذکرۃ الحفاظ ج ۱ / ص ۳۱۲۔ رجال السند والہند ج ۱ /

ص ۳۱۲۔ کتاب الانساب للسمعانی / ص ۳۱۲۔ معجم البلدان

ج ۵ / ص ۱۵۱۔ تاریخ سندھ / ص ۲۷۹۔

ثقافتی ، عدالتی اور تعلیمی زبان عربی تھی ، سندھی عوام تو اگرچہ اپنی ملکی زبان میں گفتگو کرتے تھے مگر یہاں کے خواص اور تاجر حضرات ملکی زبان کے ساتھ عربی زبان میں بھی گفتگو کرتے تھے ۔ ۱۷

۱۷ م عجم بمطابق ۶۱۰-۱۰ میں ملتان پر اور ۱۶ م عجم بمطابق ۶۱۰-۲۵ میں منصورہ پر محمود غزنوی نے حملہ کر کے تمام علاقہ 'سندھ' حکومت غزنوی کے ماتحت کر لیا تو اس کے بعد سے یہاں فارسی کے اثرات غالب ہو گئے ، غزنویوں کے بعد بھی دیگر شاہان و سلاطین ہند کے احوال میں فارسی ہی کو بالادستی حاصل رہی اور سب سے زیادہ فارسی کی ترویج غزنویوں کی حکومت میں ہوئی ۔ ان کی سرپرستی نے فارسی زبان کو ادب و ثریا پر پہنچا دیا ۔

عربوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد ہی سے ہندوستان میں تہذیبی اور ثقافتی متاثر کے لئے عربی کی جگہ فارسی زبان استعمال کی گئی ۔ چنانچہ بہت سی کتابوں کو سنسکرت اور عربی سے فارسی زبان میں منتقل کیا گیا ۔ تاریخ ، خطوط ، اور رقعات میں فارسی ہی کو اہلکار کا ذریعہ بنایا گیا ۔ عدالتی اور سرکاری زبان فارسی ہی قرار پائی ۔ فارسی شعراء ، ادباء اور مصنفین کی حوصلہ افزائی کی گئی ، ان کو انعامات سے نوازا گیا ۔ نصاب تعلیم میں فارسی کو بنیادی حیثیت حاصل رہی ۔ مگر مسلمانوں نے عربی زبان سے قلبی لگاؤ رکھا ، مذہبی علوم و فنون میں اصحاب علم نے عربی زبان ہی کو وسیلہ کے طور پر استعمال کیا ۔ مذہبی ادب اور علوم الہیہ کو اہل علم



نے عربی زبان ہی میں تحریر کیا۔ چنانچہ تفسیر و حدیث، فقہ و اصول کلام و عقائد صرف و نحو، ادب و لغت، منطق و فلسفہ کی کتابیں، شروح، حواشی اور تعلیقات عربی زبان ہی میں ہیں۔ جن میں بیشتر کا عہد مغلیہ سے تعلق ہے۔

حق تو یہ ہے کہ عہد مغلیہ فارسی ادب کا زریں دور کہلاتا ہے۔ اس کے باوجود عربی میں سب سے زیادہ کام اسی دور میں ہوا۔ اس عہد میں ایسی نابھہ روزگار شخصیات بکثرت گزری ہیں جن کے اصلاحی کارناموں اور عربی خدمات کا خود اہل عرب نے شاندار الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

مغل دور میں لکھی جانے والی عربی کتابوں کی ہر ست ہنایت طویل ہے۔ چند اہم کتابوں کے نام ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

- ۱۔ شہودن المنزلات علی بن حسام الدین متقی برہانپوری، (م ۹۵۴ھ)
- ۲۔ کنز العمال
- ۳۔ تفسیر محمدی محمد ابن احمد میاں جیو (م ۹۸۲ھ)
- ۴۔ عصمت الانبیاء عبد اللہ سلطانپوری (م ۹۹۰ھ)
- ۵۔ مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۸۴ھ)
- ۶۔ لطف الاخبار
- ۷۔ الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام قطب الدین محمد بن علاء الدین احمد (م ۹۹۰ھ)
- ۸۔ تحفۃ المجاہدین زین الدین بن عبد العزیز مالا باری (م ۹۹۱ھ)

- ۸۔ سنن البہدک فی متابعتہ المصطفیٰ عبد البنی گنگوہی . (۲۹۹۲ھ)  
 ۹۔ منبع عیون المعانی و مطلع شمس المتأخرین شیخ مبارک ناگوری (۱۰۰۱ھ)  
 ۱۰۔ سواطع الالہام ابو الفیض فیضی (۱۰۰۲ھ)  
 ۱۱۔ دستور المفسرین عبد البنی شطاری (۱۰۲۱ھ)  
 ۱۲۔ اثبات النبوة شیخ احمد سرہندی (۱۰۳۲ھ)  
 ۱۳۔ الفوار خلاصہ الحساب عصمت اللہ سہارنپوری (۱۰۳۹ھ)  
 ۱۴۔ النور السافر عبد العادری عہد ردسی (۱۰۳۸ھ)  
 ۱۵۔ لمحات التنقیح شیخ عبد الحق دہلوی (۱۰۵۲ھ)  
 ۱۶۔ الشمس البازغة شیخ محمود جوہنپوری (۱۰۶۲ھ)  
 ۱۷۔ الآداب الرشیدیة عبد الرشید جوہنپوری (۱۰۸۲ھ)  
 ۱۸۔ الدرة الثمینیة عبد الحکیم سیالکوٹی (۱۰۸۷ھ)  
 ۱۹۔ سلافة العصر فی محاسن اعیان صدر الدین ابن علی معروف بہ سید علی خاں العصر لکل مصر

۲۰۔ حجة اللہ البالغہ- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

۲۱۔ سبحة المرجان فی آثار الہند غلام علی آزاد بلگرامی (۱۲۰۰ھ)

علماء ہند کی عربی تحریروں اور ان کے حالات پر اصحابِ مسلم اور ارباب تحقیق نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ مثلاً :-

۱۔ سبحة المرجان سید غلام علی آزاد بلگرامی

(۷)

۲۔ نزهة الخواطر و بهجة السامع والنواظر عبدالحی الحسنى

۳۔ الثغارة الاسلامیة فی الہمد " "

۴۔ تذکرہ علماء ہند مولوی رحمان علی

۵۔ عربی ادبیات میں ہندوپاک کا حصہ زیر احمد

۶۔ تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت سید فیاض محمود اور عید القیوم

(جلد دوم) (مدیران خصوصی)

بعض اصحاب قلم نے صرف کسی ایک فن، شخصیت، دور یا علاقہ کو موضوع کتاب بنا کر بحث کی ہے۔ مثلاً

۱۔ رجال السند والہند قاضی الہرمیار کپوری

۲۔ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں سالم قدوائی

۳۔ عربی زبان و ادب عہد غلیہ میں شبیر احمد قادری آبادی

۴۔ عربی ادب میں اردو کا حصہ مسعود الزمر سلوی کاکوروی

پیش نظر مقالہ کا عنوان ہے اکبر — شاہجہاں کے دور حکومت میں

عربی ادب کا ارتقاء (۱۶۵۸-۱۶۵۷) سلاطین ثلاثہ (اکبر، جہانگیر

شاہجہاں) کے ادوار میں عربی زبان کے فروغ کے لئے جن علمائے کاوشیں کی ہیں۔

مقالہ میں ان کے حالات و خدمات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔

باب اول میں عہد اکبری کی سیاسی، سماجی، اقتصادی اور علمی و ادبی پس منظر

بیان کرنے کے بعد اس دور کے علماء نے عربی زبان میں جو علمی سرمایہ چھوڑا ہے اس پر خانہ فرسائی کی گئی ہے۔ علماء کرام کے اساء گرامی یہ ہیں۔

- ۱۔ شیخ علی متقی بن مسام الدین برہانپوری (۲ ۹۷۵ ھ)
- ۲۔ علامہ محمد بن طاہر محدث پٹنی (۲ ۹۸۴ ھ)
- ۳۔ شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (۲ ۹۹۷ ھ)
- ۴۔ شیخ مبارک ناگوری (۲ ۱۰۰۱ ھ)
- ۵۔ ابوالفیض فیضی (۲ ۱۰۰۲ ھ)
- ۶۔ عبداللہ سلطانپوری (۲ ۹۹۰ ھ)
- ۷۔ عبداللہ گنگوہی (۲ ۹۹۲ ھ)
- ۸۔ میر فتح اللہ شیرازی (۲ ۹۹۷ ھ)
- ۹۔ سید عبدالادل جوہرپوری (۲ ۹۹۸ ھ)
- ۱۰۔ میاں حاتم سنجلی (ادھر دسویں صدی ہجری)
- ۱۱۔ شیخ یعقوب صوفی کشمیری (۲ ۱۰۰۳ ھ)

باب دوم میں جہانگیری دور میں حسب ذیل علماء کی علمی خدمات پیش کی گئی ہیں

- ۱۔ شیخ احمد سرہندی (۲ ۱۰۲۲ ھ)
- ۲۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۲ ۱۰۵۲ ھ)
- ۳۔ شیخ عبدالنبی شطاری (۲ قریب ۱۰۲۰ ھ)

(۲ ۱۰۱۹ م)

۲۔ نور الدین شوشتری

باب سوم میں دور شاہجہانی کے درج ذیل اصحابِ مسلم کی عربی خدمات کو بیان

کیا گیا ہے۔

(۲ ۱۰۴۲ م)

۱۔ ملا محمود جوہنوری

(۲ ۱۰۴۷ م)

۲۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی

(۲ ۱۰۵۸ م)

۳۔ محب اللہ آبادی

(۲ ۱۰۲۹ م)

۴۔ عصمت اللہ سہارنپوری

(۲ ۱۰۳۸ م)

۵۔ عبد القادر عیدروسی

(۲ ۱۰۱۳ م)

۶۔ عبد الرشید جوہنوری

(۲ ۱۰۳۱ م)

۷۔ شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی

(۲ ۱۰۲۷ م)

۸۔ عبد السلام لاہوری

(۲ ۱۰۵۲ م)

۹۔ تاج الدین نقشبندی

(۲ ۱۰۴۱ م)

۱۰۔ محمد باشم حسینی

(۲ ۱۰۸۵ م)

۱۱۔ شیخ نعین الدین کشمیری

(۲ ۱۰۷۲ م)

۱۲۔ ملا شاہ محمد بدخشی

(۲ ۱۰۴۱ م)

۱۳۔ قاضی محمد اسلم

(۲ ۱۰۴۲ م)

۱۴۔ محمد افضل جوہنوری

(۲ ۱۰۱۵ م)

۱۵۔ صبغة اللہ بھڑوچی

مقالہ کی تیاری میں کچھ دقتیں اور پریشانیاں وراہ میں حائل ہوئیں مگر استاد

محترم جناب طارق مختار کی رہبری اور قیمتی مشوروں سے تمام رکاوٹیں دور ہو گئیں۔  
 بڑی ناسپاسی ہوگی اگر شعبہ عربی کے اساتذہ بالخصوص شعبہ عربی کے چیرمین  
 پروفیسر عبدالہاری کے مشفقانہ سلوک اور ہمدردی کا ذکر نہ کیا جائے۔ انہوں نے  
 ہر مشکل مقام پر میری رہنمائی فرمائی۔

مولانا آزاد لائبریری، شعبہ عربی و اسلامیات کی لائبریری اور مدرسہ اسلامیہ  
 عربیہ جامع مسجد ادپر کوٹ علیگڑھ کے منتظمین اور ملازمین کا شکریہ ادا کرنا بھی میرا  
 اخلاقی قریضہ ہے۔ فراہمی کتب کے سلسلے میں ان حضرات نے مکمل تعاون دیا۔  
 میرے احباب اور دوستوں میں نعیم احمد، جاوید احمد اور عقیل احمد وغیرہ کا  
 بھی شکریہ کے مستحق ہیں وہ میرا بھی تعاون کر سکتے تھے انہوں نے اس سے کہیں زیادہ  
 کوشش کی۔

آخر میں استاد محترم جناب طارق مختار کا غیر رسمی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے  
 مصروفیتوں کے باوجود اپنا قیمتی وقت دیا اگر ان کا تعاون اور رہنمائی نہ ہوتی تو یہ  
 مقالہ پایہ تکمیل تک نہ پہنچ پاتا۔

محمد ابراہیم

## باب اول

گبری ہند

ساتویں صدی ہجری کے شروع میں چین سے شمالی پہاڑوں سے "لوں" نے مغرب کی جانب خروج کیا۔ انھوں نے ترکستان، ماوراءالنہر، خراسان، آذربائیجان، اصفہان، افغانستان، بارس، غزنو، روس اور آسٹریاں لوٹ مار اور قتل و غارتگری چلائی۔ سیکڑوں حکومتوں کو برباد کیا اور ان گنت خاندانوں کا نام صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

چنگیز خان، ہلاکو خان اور امیر تیمور لنگ کی فتح مندوں سے مغلوں کو زبردست طرح حاصل ہوا، تیمور کی اولاد میں بابر ایسا اقبال مند شخص تھا جس نے افغانستان زبردستی میں غل سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ مغلوں نے قبل ہندوستان مختلف سلطنتوں، اور ریواڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ اور یہاں کوئی مستقل دیا بیدار حکومت نہ تھی۔ ۹۳۲ھ / ۱۵۲۹ء میں بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودی کو شکست دے کر لودھی سلطنت کا خاتمہ کر دیا اور ہندوستان میں مغلوں کی حکمرانی قائم کر دی۔

۱۵۳۰ء میں جب وصیت نے بابر کے بعد اس کا بیٹا فیض الدین ہمایوں آج و تخت کا مالک بنا مگر کچھ ہی عرصہ کے بعد افغان حکمران شیر شاہ سوری نے اسے حکومت چھین لی۔ شیر شاہ ایک قابل اور درباری حکمران تھا۔ اس نے انتظامیہ کو درست کیا۔ مال گزاری کا نیا بندوبست کرایا۔ سترکوں کی تعمیر کرائی جو سلطنت کے مختلف حصوں کو ملائی تھیں۔ لیکن وہ پانچ برس کے بعد ہی ۱۵۴۵ء میں ایک حادثہ کا شکار ہو گیا۔ ادھر ایران کے صفوی بادشاہ کے تعاون سے ہمایوں کا لیل پیر دربارہ قابض ہو گیا تھا۔ اس نے شیر شاہ کے جانشینوں



کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ۶۱۵۵۵ میں ایک بار پھر ہندوستان پر اپنا تسلط حاصل کر لیا۔  
 ہمایوں کے بعد اس کا بیٹا محمد حلال الدین اکبر حاکم بننا۔ جس کے بعد میں ہندوستان ایک  
 مستحکم اسلامی حکومت کی شکل میں ظاہر ہوا۔

حلال الدین اکبر کی تاج پوشی ۶۱۵۵۶ میں ہوئی۔ اس وقت وہ ۱۳ سال کا بچہ  
 تھا اس لئے سلطنت کی دیکھ بھال اور نظم و نسق کے لئے بیرم خاں اس کا اتالیق مقرر ہوا  
 وہ نہایت ہی قابل منتظم اور مخلص فرض شناس تھا۔ اس کی حسن تدبیر اور عمدہ صلاحیت کی  
 بدولت اکبر ایک باکمال حکمران بنا۔ اور اس کمسن بادشاہ پر جو حملے ہوئے ان کی ناکامی کا سہرا  
 بیرم خاں کے سر جاتا ہے۔

ملکت کی توسیع اور استحکام کیلئے اکبر نے مختلف تدابیر اختیار کیں۔ راجپوتوں کو بڑے  
 بڑے منصب دینے کے ساتھ ان کی بیٹیوں کو داخل حرم کرنا اسی حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔ راجپوتوں  
 سے اس کی دوستی اور اتحاد نے مغل سلطنت کی وسعت و قوت میں اضافہ کیا۔ یہی وجہ ہے کہ  
 راجستھان کے ناقابل تسخیر دشہور قلعے، رن تھمپور اور چتوڑ پر اس کی فتح ہو گئی، اور  
 دیکھتے ہی دیکھتے گجرات، کشمیر، سندھ، اڑیسہ، وسط ہند اور افغانستان کا شہر قندھار  
 سلطنتِ مغلیہ کے زیر نگیں آ گیا۔

ہندوؤں کی دل داری کے لئے اکبر نے صلح کل کی پالیسی پر عمل کیا۔ اکبر کی صلح کل کی  
 جہانگیر نے بے حد تحریف کی ہے۔ اکبر کا یہ شیوہ صلح کل بجا طور پر لائق تحقیر ہے مگر یہ

کوئی اس کی نئی ایجاد نہیں۔ اس سے قبل ہندوستان ہی میں محمد بن قاسم، سلطان زین العابدین شیر شاہ سوری اور اس کے جانشینوں نے صلح اعلیٰ اور رواداری کے اصول پر ہی حکمرانی کی۔ ان کے ہند میں بھی ہندوؤں کو بڑے بڑے منصب دئے گئے۔ البتہ اکبر نے صلح اعلیٰ کے نظام کو وسعت و دوام عطا کیا۔ جس سے اس کے پیش رو بادشاہوں کے کارنامے ماند پڑ گئے۔ مثلاً جزیہ کی معافی، ذبیحہ گاو کی حماقت اور یاتریوں کے محاصل کی موقوفی وغیرہ۔ ایسے اور ہیں جنہوں نے ہندو عوام کے استاد و محبت کو زیر دست تقویت پہنچائی۔

سیاسی مصلحت اندیشی اور مذہبی رواداری کے سلسلے میں اکبر سے غلطیاں بھی سرزد ہوئیں۔ اور وہ استدلال کی راہ پر عالم نہ رہ سکا۔ ذبیحہ گاو کی حماقت اور محاصل و جزیے کی موقوفی کو تو سیاسی مصلحت کی مثالوں میں پیش کیا جاسکتا ہے مگر سودا، جوا، شراب کی حدت، ریش تراشی کا حکم اور غسل جنابت کی فرضیت کی تنسیخ وغیرہ اور میں کون سے سیاسی مصالح تھے۔؟ یہ اور تو ایسے ہیں کہ ہر مذہب کے افراد اپنے اپنے طریقوں پر عمل کریں تو فرقہ وارانہ ہم آہنگی میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اکبر اور اس کے درباریوں نے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لئے ایک نیا نظام زندگی ترتیب دیا تھا جو دین الہی کے نام سے مشہور ہے۔ اس نئے طریقہ کی نہ صرف مسلمانوں نے مخالفت کی بلکہ ہندوؤں نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ یہ طریقہ اکبر نے ہندوؤں کو مانوس کرتے اور اکھنڈ اپنا معتقد بننے کے لئے وضع کیا تھا۔ جبکہ صرف ایک درباری ہندو (بیربر) نے ہی قبول کیا۔ راجا بھگوان داس نے کہا "میں یہ مانتے کیئے یارہوں کہ ہندو اور مسلمان دونوں کے مذہبوں میں جرابیاں موجود ہیں، لیکن یہ تو بتائیے کہ ان سے بہتر کون سا فرقہ

ہے مگر ہم اس کے فائل ہو سکیں " بادشاہ بہ سن کر جواب ہو گیا ۔ اسی طرح راجہ  
 مان سنگھ سے اکرے مریدی کیسے کہا تو اس نے جواب دیا " مریدی سے مراد جاں نثاری ہے ۔ تو آپ  
 دیکھتے ہیں کہ جان بھتیل پر لے پھرتا ہوں ۔ اور آپ کی مراد مذہب سے ہے ۔ تو میں ہندو ہوں ،  
 فرمائیے مسلمان ہو جاؤں ۔ دوسرا راستہ مجھے نہیں معلوم کون سا ہے جسے اختیار کیا جائے "۔  
 جدید محققین نے اکرے اس طریقہ کو مضحکہ خیز اور عبث قرار دیا ہے ۔ شیخ محمد اکرم  
 لکھتے ہیں " اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ تمام سلسلہ اسلام کے صنف کا باعث اور مسلمانوں  
 کے لئے بڑا رنجیدہ تھا ۔ ملکی نقطہ نظر سے بھی ۔ سوائے اس کے کہ ایک با اثر طبقہ کے دل  
 مجروح ہوئے اس سے کوئی نتیجہ مرتب نہیں ہوا ۔"

شیر شاہ " کے مصنف کا لکار جنی مانوں گونے لکھا ہے کہ !  
 "اگر کی اس اسکیم سے ایسے چند مسلمان اور غلامانہ ذہنیت کے ہندو ضرور  
 پیدا ہوئے جو اس کو خوش کرتے کے لئے اللہ اوپر نشد لکھا کرتے تھے ۔۔۔  
 ۔۔۔ اکرے اسلام کے ساتھ نا انصافی کی ، اس کو خواہ مخواہ رسوا کیا ۔  
 جس کے لئے اس کی تاریخ اس کو معاف نہیں کر سکتی ۔ اس نے جو کچھ کیا وہ  
 ریاست کے مفارکے لئے نہیں بلکہ ایک دہم کو پورا کرنے کیلئے کیا ۔۔۔۔۔  
 اگر وہ واقعی ہندو مسلمان کے تعلقات کی خوش گواری اور یا نیداری کا خواہاں تھا

۱۔ منتخب التواریخ - ج ۲ - صفحہ ۳۱۳

۲۔ منتخب التواریخ - ج ۲ - صفحہ ۳۴۲

۳۔ رود کوثر : ۱۳۱

تو اسے اپنے ہم مذہبوں کو ہندوؤں کے جذبات کا احترام کرنا سکھانا چاہئے تھا۔<sup>۱</sup>

سید صباح الدین عبدالرحمان تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ !

اسی لئے یہ کہنا درست ہے کہ دلوں کی تسخیر کے لئے رداداری، خاطر داری

معاہت، مصالحت، محبت اور یگانگت کی ضرورت ہوتی ہے، مذہبی عقائد

اور روحانی ارادت کی خواہ مخواہ وحدت کی ضرورت نہیں۔ جس کے

نہ صرف علماء، بلکہ پنڈت بھی مخالف رہے۔<sup>۲</sup>

بہر حال اکبر کا جاری کردہ نیا طریقہ خواہ کتنا ہی ناکام اور عبث ثابت ہوا مگر اس

نے ہندوستان کی طوائف الملوک کو ختم کر کے ایک عظیم سلطنت قائم کی۔ اس نے ملکی اور جنگی

نظام اس قدر عمدہ بنایا کہ ہندوستان میں کوئی اس کی ہم سرب کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔

تھا۔ ہندو دلت، مال گزاری کے بہترین قوانین اگرچہ شیر شاہ کے زمانے میں ہی

بن گئے تھے مگر ایسے وسیع پیمانہ پر صحیح طور سے ان پر عمل درآمد درحقیقت اکبر ہی کے زمانہ

میں ہوا۔<sup>۳</sup> سلطنت کے نظم و نسق کے لئے اس نے ملک کو پندرہ صوبوں میں تقسیم

کیا۔ ہر صوبہ کا ایک سردار یا صوبہ دار ہوتا، اور صوبہ کا نظم و ضبط کلیتہً اسی کے سپرد

ہوتا۔ علاوہ ازیں اکبر نے منصب داری کا بھی نظام قائم کیا۔

ریاست کی آمدنی کے ذرائع دو تھے۔ زمین کا لگان اور تجارت پر ٹیکس۔

۱۔ ہندوستانی سلاطین علماء اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر: صفحہ ۲۵۵

۲۔ ایضاً - صفحہ ۵۶

۳۔ مختصر تاریخ ہند: صفحہ ۱۲۸

تخوایں زیادہ تر زمینی (جاگیر) کی شکل میں دی جاتی تھیں۔ مہدے دار اور ملازم اپنی تخواہ مفوضہ جاگیر کے لگان سے وصول کرتے تھے۔ حکومت پیداوار کا ایک تہائی حصہ لیتی تھی۔ مال گزاری کا تحفہ لگانے پر راجہ لوڈرمل اور امیر فتح اللہ شیرازی کا تقرر تھا۔ زرعی پیداوار کے علاوہ تجارت کو بھی ملکی اور بیرونی سطح پر خوب فروغ ملا۔ جس سے ملکی معیشت میں ترقی ہوئی۔

اگر صنعت و حرفت کو ترقی دینے کی بھی بھرپور کوشش کی، ایران، کشمیر اور دیگر علاقوں سے کاری گروں کو لاہور، احمد آباد اور آگرہ میں بلایا تاکہ وہ شمال باقی، قالین سازی اور ملبوسات کے کارخانے قائم کریں۔ مصدب داروں کو مجبور کیا کہ وہ یہاں کی بنی چیزیں پہنیں، نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں بہت سی صنعتیں رائج ہو گئیں۔ ہوا کے بعد بھی جاری رہیں۔<sup>۱۵</sup>

نون لطیفہ مثلاً مصوری، موسیقی، خطاطی اور فن تعمیر کو بھی اگری فیض پہنچا، میر عیدلی تبریزی، خواجہ عبد الصمد، دسونت اور یسادن دربار اگری کے خاص تصور تھے۔ خطاطوں میں اشرف خاں، محمد حسین کاشمیری، ملا میر علی اور میر حسینی۔ اور ماہرین موسیقی میں تان سین، رام داس، اور میاں چاند کے شہرت آج تک باقی ہے۔<sup>۱۶</sup> ہندوستانی مصوری اور موسیقی ایرانی طرز سے متاثر ہو کر ایک نئے جمال کے ساتھ رونما ہوئی۔ فن تعمیر سے بھی اگری کا دلچسپی کے

<sup>۱۵</sup> رود کوثر : صفحہ ۸۴-۸۵۔  
<sup>۱۶</sup> دائرۃ معارف، بذیل مادۃ اگری : صفحہ ۵

ثبوت ملتے ہیں۔ ہمایوں اور سلیم چشتی کے بقرے، فتح پور سیکری، اٹل، لاہور، الہ آباد اور آگرہ کے قلعے، اکبر ہی کی یادگار ہیں جو حسن تعمیر اور پائیداری کے اعتبار سے دنیا کی بہترین عمارتوں کی صف میں جگہ پاتے ہیں۔

اکبری نواز شہنشاہ اور زر پاشیوں کی وجہ سے علوم و فنون کو بھی خوب پھلنے اور پھولنے کا موقع ملا۔ وہ اگرچہ پڑھ لکھ نہ سکا۔ لیکن اس نے اپنی تفسیمی کمی بعض اہم اور مشہور کتبوں کو سن کر دور کرنے کی کوشش کی۔ معلوماتی ذخیرہ اور علمی لیاقات میں اضافہ کئے اکبر حسب ذیل کتابیں بڑی پابندی اور اہمیت سے سناتا تھا۔ اخلاق ناصری۔ شاننامہ مکتوبان شیخ ہینری، لکھنواں، بوستان، کیا کے سعادت، مثنوی مولانا رام اور تصانیف ملاطانی دامیر خسرو وغیرہ۔

عہد اکبری کی عظمت و برتری صرف سیاسی حیثیت سے متعارف ہے جب کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی سب سے زیادہ درخشاں نظر آتا ہے۔ اس کی علمی فتوحات اپنی کیفیت اور کمیت کے لحاظ سے اس کی ملکی فتوحات کے بالکل ہم پلہ ہیں۔ شاہان ہند میں شہنشاہ اکبر ہی پہلا شخص ہے جس نے علوم و فنون کی وسیع پیمانہ پر سرپرستی کی روایات عالم کیں۔ اس سے قبل ادب و فن کی باقاعدہ سرپرستی کا عام چین نہیں تھا۔ چنانچہ درباری شاعر، مورخ، مصور اور موسیقار کا تقرر نیز فلک الشہداء کا خطاب اکبر ہی کی دین ہے۔

یوں تو مغلوں سے پہلے بھی سلاطین ہند علم برداری اور علماء نوازی میں پیچھے نہ تھے مگر مغلوں بالخصوص اکبر اور اس کے امراء نے جس قدر علم اور اصحاب علم کو داد و تحسین

اور زردجو اہرات سے نوازا، اور الفین حبس وسیع پیمانہ پر جاگیریں اور معافیاں عطا کیں۔ اس کی نظر شاہان ہند کی تاریخ میں کم از کم اکبر سے پہلے نہیں ملتی۔ دربار اکبری کے ایک وزیر عبدالرحیم خانِ خاناں ہی کو دیکھا جائے تو اس کے دامنِ دولت سے ۳۲ علماء وابستہ تھے، جیسا کہ مآثر رحیمی کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح دیگر امراء بھی اپنی حیثیت اور ہمت کے مطابق اہل علم کو عطا یا الفامات سے نوازتے اور ان کی سرپرستی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ علماء و مشائخ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف نظر آتے ہیں۔

دربار اکبری میں تصنیف و ترجمہ کا بھی نظم تھا۔ گویا عباسی خلفاء کے بہت الحکمت کے طرز پر ایک ادارہ قائم تھا۔ بادشاہ اس سے وابستہ مصنفین اور ترجمہ نگاروں کو گرانقدر الفامات سے نوازتا۔ اکبری ان فیض بخشیوں اور علمی تحسیبوں کو دیکھ کر انہوں نے عیسائیوں اور قاطعوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جن کی فیاضیوں اور زریا شیوں سے عالم اسلام میں علوم و فنون کے دریا بہنے لگے تھے۔

اکبری سرپرستی میں عربی، ترکی، اور سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کی گئیں۔ عبدالقادر بدایونی، ابوالفضل عسلائی، ابوالفیض فیضی، عبدالرحیم خانِ خاناں نظام الدین بخشی، اور نقیب خاں وغیرہ، دربار اکبری سے وابستہ تھے جن کے ذمہ تصنیف و ترجمہ کا کام سپرد تھا۔

شعر و شاعری اور دربار کا رشتہ تو تقریباً ہر دور میں مضبوط رہا ہے۔ اکبر نے اس تعلق کو مزید استحکام بخشا، فارسی اور ہندی زبان کے شعر اذریں

دربار اکبر کے چند افراد تھے۔ سورداس، تلسی داس، عبدالکریم خانخاناں، مینھی  
 عرفی، نظری، شکیلی، شجرکاشی اور حیدر تبریزی وغیرہ۔ اس لئے ہندی اور  
 خصوصاً فارسی شعر و ادب کو اس طبقہ میں کچھ زیادہ ہی وسعت و ترقی نصیب ہوئی۔

عربی زبان اگرچہ اکبر کی سرپرستی سے محروم رہی مگر اس کا مینھی عرفی کو بھی پہونچنا  
 چنانچہ ابوالفضل نے جب دربار میں اپنی پہلی حاضری کے موقع پر "آیۃ الکرسی کی تفسیر  
 عربی میں لکھ کر اور مینھی نے اپنے آخری ایام میں تفسیر بے نقطہ پیش کی، تو دونوں ہی  
 الفامات سے نوازے گئے۔ ان جزوی واقعات کے علاوہ اکبر نے عربی زبان کے فروغ  
 کے لئے کوئی کام نہیں کیا۔ البتہ یہ تو لکھا جاسکتا ہے کہ اس کے دربار سے جو اہل علم وابستہ  
 تھے تقریباً وہ سبھی عربی زبان پر عبور رکھتے تھے۔ ان کو نوازنا گویا عربی کو نوازنا تھا۔ کیونکہ  
 انہیں فراغت نصیب ہوئی تو ان میں سے بعض نے نہ صرف درس و تدریس کے ذریعہ عربی زبان کو  
 فروغ دیا۔ بلکہ عربی میں ایسی قابل قدر تصانیف لکھیں جن کو اہل عرب نے بھی توصیف  
 و اعتناء کے لائق سمجھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ اس دور میں جو کتابیں عربی میں لکھی گئیں،  
 اس میں شاہی سرپرستی یا بہت افزائی کو عام طور پر کوئی دخل نہ تھا بلکہ وہ ذاتی اور مذہبی  
 جذبہ کے تحت لکھی گئیں۔ یہ کیفیت اکبر کے دور حکومت میں جن علماء نے عربی زبان و ادب  
 کے سلسلہ میں کاوشیں کیں۔ آئندہ سطور میں ان کے حالات و خدمات کو پیش کیا گیا ہے۔

---

۱۔ حیوۃ المحیوان اور معجم السیدان، ان دونوں عربی کتابوں کے فارسی تراجم کو عربی  
 نوازی میں شمار کرنا تسامح ہے۔



## شیخ علی متقی ہندی :- (۹۷۵ - ۸۸۵) <sup>۲۱</sup>

### حالات

شیخ علی متقی ہریانپوری بن حسام الدین بن عبد الملک بن قاضی خاں، المتقی،  
لہیب، قادری، شاذلی، مدینی، چشتی مشرب،  
آبائی وطن۔ جونپور، ۸۸۵ھ کو ہریان پور میں پیدا ہوئے۔

والد بزرگوار شاہ باجن چشتی ہریان پٹنوری جن کے پیر کا سلسلہ براہ راست خواجہ  
معین الدین حسن سنجری اور خواجہ مودود چشتی تک پہنچتا ہے۔ ان کے مرید تھے۔  
سات، آٹھ سال کی عمر میں اپنے صاحب زادہ کو بھی شاہ صاحب سے بیعت کرا دیا۔ کچھ دنوں کے  
بعد شیخ کے والد محترم کا انتقال ہو گیا۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ دنوں اہل دسلاطین کی صحبت میں  
وقت گزارا، پھر میں مسلم شباب میں شیخ عبد الحکیم بن باجن شاہ کی خدمت میں پہنچے۔  
اور سلسلہ چشتیہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ علی متقی اپنے غریب وصیت نامہ میں خود تحریر  
فرماتے ہیں۔

”میرے والد صاحب نے صغر سنی میں ہی مجھے شیخ باجن ہریانپوری کا مرید کرا دیا تھا۔

جب میں سن شعور کو پہنچا تو میں نے والد صاحب کی موافقت کرتے ہوئے اور بزرگوں  
کے اس قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ اگر زمانہ طفولیت میں کوئی کسی شیخ

کا مرید ہو جائے تو بعد بلوغ اسے اختیار ہے کہ اس سابق پیر سے بیعت رہے

یا دوسرا شیخ پسند کر لے۔ جب میرے والد اور شیخ دونوں ہی فوت ہو گئے

تو میں نے شیخ عبد الحکیم بن شیخ باجن سے سلسلہ چشتیہ میں خرقہ خلافت

حاصل کیا۔ اس کے بعد میرے دل میں ایک ایسے مردِ کامل سے ملنے کی تمنا ہوئی جو مجھے راہِ حق اور سلوک و معرفت سے مکمل آگاہ کر سکے۔ چنانچہ میں نے ملتان کا کوچ کیا۔ اور ایک زمانے تک شیخ حسام الدین متقی کی خدمت میں رہا۔ پھر حرمین شریفین گیا۔ اور شیخ ابوالحسن بکری کی صحبت میں رہ کر قادری، شاذلی، اور مدنی سلاسل میں غرۃ خلافت حاصل کیا شیخ۔

شیخ علی متقی نے اپنے پیر و مرشد شیخ حسام الدین سے ملتان میں نہ صرف علم لدنی حاصل کیا بلکہ علم ظاہر میں بھی ان سے تفسیر بیضاوی اور عین العلم کا درس لیا۔ اور مکہ مکرمہ میں ان کے شیوخ ابن حجر مکی، مفتی مکہ مکرمہ (صاحب صواعق محرقہ) محمد بن محمد سناری اور بالخصوص شیخ ابوالحسن شافعی بکری ہیں۔ آخر الذکر سے شیخ متقی نے درس حدیث اور طریقہ شاذلیہ، قادریہ، مدنیہ اخذ کیا۔ اور چند ہی ہی سالوں میں موصوفت اپنی فطری استعداد، روحانی ذوق اور توفیق ربانی سے وہ مرتبہ حاصل کر لیا کہ استاد شاگرد، اور شاگرد استاد کے مرتبے میں آ گئے۔

علامہ علی آزاد بکراہی لکھتے ہیں کہ :

”آجنا بے ۹۵۳ ھ میں حرمین شریفین کا قصد کیا۔ مکہ معظمہ میں مقیم ہو گئے اور کثرتِ ریاضت، تقویٰ، علم ظاہر و باطن کی تشریف آوری کی وجہ سے آپ کی خوب شہرت ہوئی۔ اس قدر اس خطے کے خواص و عوام سب آپ کے فضل و کمال کے معترف ہو گئے۔ شیخ ابن حجر مکی، مفتی مکہ مکرمہ

صاحب صواعق محرقہ تو کہ ابتداً آپ کے استاد تھے، مرید و شاگرد

ہو گئے، اور آپ سے خرقہ و خلافت حاصل کیا۔" لے

حضرت شیخ علی متقی اسم بستی تھے، بڑے عابد و زاہد اور انتہائی متقی و پرہیزگار شخص تھے۔ قیام ملتان اور اس کے بعد سفر حجاز میں آپ کے پاس دو تھیلے رہتے تھے۔ ایک تھیلے میں کتابیں، اور دوسرے تھیلے میں آٹا، دال، نمک، مریچ، تیل اور تھوڑی لکڑیاں وغیرہ تھیں، آپ اپنا کام خود کرتے۔ جتنی کہ خود ہی کھانا پکاتے۔ ضرورت کے وقت کسی مدرسے سے کام کراتے تو معاوضہ دے کر۔ کبھی کسی مسجد میں قیام نہ کرتے بلکہ مکان کرائے پر لے کر اس کو اقامت گاہ بناتے۔

ذریعہ معاش کتابوں کی کتابت تھی، اپنے قلم سے کتابیں لکھ کر فروخت کرتے تھے۔ الہیں امراء اور اخیاری کے نذرانوں اور تحائف سے نفرت تھی۔ ان سے فرض لینا بھی گوارا نہ تھا۔ سلاطین ترکیہ کے کسی وزیر نے بہت زیادہ امرار کیا کہ حضرت شیخ ایک مرتبہ میرے مکان پر تشریف لا کر حاضر تامل فرمائیں۔ آپ انکار فرماتے رہے، مگر جب وزیر کا اصرار بہت زیادہ بڑھا اور حضرت شیخ کے مخصوص خدام نے بھی سفارش کی تو وزیر کی درخواست قبول فرمائی مگر تین شرطیں طے کر لیں، جہاں چاہوں گا بیٹھ جاؤں گا، جو چاہوں گا کھاؤں گا۔ اور جہاں چاہوں گا اٹھ کر چلا آؤں گا۔ وزیر نے تینوں شرطوں کو منظور کر لیا۔ اور تشریف آوری کو بہر صورت غنیمت سمجھا۔ حضرت شیخ تشریف لے گئے تو شاہانہ قالینوں اور غالیچوں کو بھونڈ کر دروازہ کے قریب بیٹھ گئے۔

کھانا چنا گیا تو اپنی جھولی سے روٹی نکال کر کھانی شروع کر دی، اور جب کھانے سے فارغ ہو گئے تو السلام علیکم فرمایا اور روانہ ہو گئے۔

مکہ معظمہ سے ایک مرتبہ آپ گجرات تشریف لائے، خلق خدا کی گرویدگی کا یہ عالم تھا کہ پردانوں کی طرح آپ پر قربان ہوتی تھی، مجبوراً آپ کو دروازہ بند کرنا پڑا۔ سلطان محمود دانی گجرات کو آپ کی زیارت کا شوق ہوا، حاضری کی اجازت چاہی، قاضی عبداللہ سندھی جو اس زمانہ میں مح اہل و عیال نقل وطن کر کے گجرات ہی چلے آئے تھے۔ ایک پربستہ گار عالم تھے، اور حضرت شیخ سے تعلقات رکھتے تھے، قاضی صاحب نے اصرار کیا کہ درخواست منظور فرمائی جائے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ سلطان کی وضع میں کچھ خلاف شرع چیزیں داخل ہیں یہ ممکن نہیں کہ میں خلاف شرع کی جانب دیکھوں اور خاموش رہوں، قاضی صاحب نے فرمایا اسی شرط پر اجازت دے دے گا میں سلطان شرط منظور کر کے حاضر خدمت ہوا۔ واپس جا کر ایک کروڑ تنگہ بطور ہدیہ خدمت میں پیش کیا۔ حضرت نے تمام رقم قاضی عبداللہ کو دے دی کہ یہ آپ کے واسطے آئی ہے۔ آپ ہما کو مبارک ہو۔ اس کے بعد سلطان محمود گجراتی اکثر خدمت اقدس میں حاضر ہوتا۔ آپ جو بات خلاف شرع دیکھتے اس کو تنبیہ فرماتے اور یہ سعادت مند سلطان اس کو منظور کرتا۔ سلطان کو دہم کا مرض تھا۔ حضرت شیخ نے ایک مرتبہ آفتابہ میں پانی گرم کر کے اپنی ٹوپی کو اس میں تین مرتبہ دھویا۔ اس کے بعد چوتھی مرتبہ دھو کر اس کا دھوون بادشاہ کو دیا اور فرمایا ! بابا محمود ! یہ پانی شریعت مطہرہ میں پاک ہے اس میں ذمہ اور دوسوہ شیطانی فعل ہے اس کو پی لو سلطان نے پی لیا اور دہم کا مرض جانا رہا۔

خدمت خلق کا یہ سناں شوق تھا کہ طلبہ کے لئے رہنمائی خود بناتے تھے اور خود ہی کتابیں نقل کر کے ان کو دیتے۔ آپ ہمیشہ با وضو رہتے تھے۔ اور ہر مرتبہ وضو کے بعد دو رکعت تحفہ الوضو پڑھتے تھے۔ گویا آپ ابتداء سنت کے بہت زیادہ مخلص تھے۔ آپ کا مقلد تھا کہ علماء حلال ضائع نہیں ہوتا۔ اور مثال میں اپنے واقعات پیش کرتے۔

ایک مرتبہ محدث علی نقی کے دل میں یہ خیال آیا کہ عدالت اور قضاء کا کام ثواب کی چیز ہے۔ لہذا یہ بات سلطان محمد گجراتی کے کانوں تک بھی پہنچی، اور اس نے شیخ مومن کو عدل والہانہ کا محکمہ سپرد کر دیا۔ چنانچہ شیخ نے بہت سے دیگر افراد کے ساتھ کام کرنا شروع کر دیا۔ لیکن وہ ملازمین جو آپ کے ماتحت کام کرتے تھے۔ رسوت لینے لگے، سلطان کو ب اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے کہا کہ شیخ تو خود رسوت لیتے لیکن رسوت حوروں کا سلم ہے۔ لہذا شیخ نے عملہ کی اصلاح کی کوشش کی۔ ایک دن آپ چبوترہ پر بیٹھے تھے۔ اور ملازمین کی اصلاح سے مایوس ہو چکے تھے۔ اچانک اپنا عصا اٹھایا اور چل دئے۔ اور یہ فرمایا کہ دین و دنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

## وفات ۱۔

۲، جمادی الاولیٰ ۹۷۵ھ بموت سحر شیخ داعی اجل کو لبیک کہا اور مکہ کے جنت المعلیٰ قبرستان میں مدفون ہوئے۔ جہاں آپ نے اپنے آخری ایام گزارے تھے۔

۱۔ اتوار صوفیہ ۲۸/۵ - ۱۱ - مائراکرام ۱۹۲/۱ - ۱۹۳ -  
حدائق الحنفیہ - ۲۸۳/۱ - خزینۃ الاصفیاء ۲۴۰/۱ - ۲۴۹

تلاذہ :-

ان کے شاگردوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ نامور شاگردوں میں شیخ جمال الدین محمد بن طاہر محدث پٹنی، شیخ عبد الوہاب متقی، (جو کہ محدث عبد الحق دہلوی کے پیر و مرشد تھے) شیخ رحمت اللہ سندھی اور شیخ عبد اللہ سندھی کے اسما قابل ذکر ہیں۔

### علمی مقام ۱۔

وہ صحیح معنوں میں متبع سنت، حامی دین مبین، اور ماحی بدعت تھے۔ آپ اپنے معاصرانہ بے اعتدالیوں پر بھی بڑی توجہ کی، شیخ غوث گوالیاری کے سلسلہ معراجیہ کی مخالفت کے علاوہ آپ نے مہدی جون پوری کے خیالات کی بڑی مخالفت کی۔ اور نہ صرف اس مقصد کے لئے حکام وقت کی اعانت حاصل کی بلکہ مہدویت کی تردید میں دو مبسوط رسائل لکھے۔ اور ظہور مہدی کی نشانیوں کی تفصیلات اور اسکا مکہ معظمہ کے فتاویٰ درج کر کے مہدی جو پوری کے دعاوی کی تردید کی۔ یہ آپ کی کوششوں کا نتیجہ تھا مگر گجرات میں جو مہدویت کا مرکز بن چکا تھا۔ یہ تحریک ناکام ہوئی اور اسے اپنا مرکز دکن میں منتقل کرنا پڑا۔

شیخ مے علمی مقام کا اندازہ ان کی تصانیف کی روشنی میں اچھی طرح کیا جاسکتا ہے۔ شیخ ابوالحسن بکری (جو کہ آپ کے اساتذہ حدیث میں سے ہیں) فرمایا کرتے تھے ”کسیوطی کا دنیا پر احسان ہے اور شیخ متقی کا سیوطی پر احسان ہے“ سہ

سید عبدالحق تحریر کرتے ہیں کہ !

”انھیں بزرگوں میں سرمایہ نازش ہندوستان حضرت شیخ علی متقی تھے۔

ہو گجرات میں بودویش اختیار کرنے کے بعد ہجرت کر گئے تھے۔ دو تین بار

شریف لاہور احمد آباد میں رہے اور اپنے اناس ہنر کہ سے لوگوں کو

عرصہ تک استفادہ ہونے کا موقع دیا۔“ ۱

”بزرگ زیارت رسول کا واقعہ بھی آپ کی علمی عظمت کو اجاگر کرتا ہے جو شیخ

حضرت نے ”الغور السافر“ میں شیخ محمد طاهر محدث پٹنی کے بیان میں

ذکر کیا ہے۔“ ۲

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب ”نادر المتقین فی سلوک الیقین“

کے پانچویں باب میں شیخ متقی کے مناقب و فضائل کا تذکرہ بڑے خلوص سے کیا ہے

### تصنیفات :-

صرفیاد و محدثین کا وہ گروہ جس نے ایک طرف ”کرمی عشق“، انابت الی اللہ اور خلق خدا

کی ہدایت کا سامان بہم کیا۔ تو دوسری طرف اپنی فکری و علمی کاوشوں سے ایک عالم کو سیراب کیا۔

اور اپنے تسلیم کے وہ جوہر دکھائے کہ اہل علم بھی ان کے معترف اور قدر شناسی ہو گئے۔ اور

ان کی تالیفات ہی ان کے علوم و تربیت کا بہتہ دیتی ہیں، ان ہستیوں میں ایک نام علامہ شیخ

علی متقی بریلووری ثم مکیؒ کا بھی ہے۔ شیخ علی کی تصانیف کا دائرہ بہت وسیع بلکہ بقول آزاد

(تصانیف اور معد متجاوز است) انکی تالیف کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔ تفسیر

حدیث اور تصوف ان کے خاص موضوع رہے ہیں ان کی تالیفات میں سدرجہ ذیل کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں -

- ۱ - کنز العمال
- ۲ - ترتیب الجامع الصغیر
- ۳ - البرہان فی علامات مہدی آخر الزمان
- ۴ - المنہج الا تم فی ترتیب الحکم
- ۵ - الوسيلة الفاخرة فی سلطة الدنيا والآخرة
- ۶ - تلقین الطريق فی السلوک لما اھم اللہ سبحانہ تعالیٰ
- ۷ - رسالة فی البطل دعوی الید محمد بن یوسف الجونپوری
- ۸ - البرہان الجلی فی معرفة الوحی (فارسی)
- ۹ - جوامع الکلم فی المواعظ والحکم
- ۱۰ - ہدایہ ربی عند فقد الربی
- ۱۱ - المراهب العلیہ فی جمع الحکم القرآنیۃ والحديثیۃ
- ۱۲ - الفصول شرح جامع الاصول
- ۱۳ - مختصر النہایۃ
- ۱۴ - شئون المنزلات

۱۵ - دائرۃ معارف بدیل مادہ مشق ہندی - / ۵۰۵

- عربی زبان وارباب علمہ مغلیہ میں / ۱۱۱



ذیل میں چند کتابوں کا مختصر تعارف پیش ہے ۔

### (۱) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ۔

یہ شیخ علی تقی کی ایک عرکہ الآثار تصنیف سن حدیث سے متعلق ہے ۔ اصل میں علامہ عبداللہ الدین سیوطی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کو جمع کر کے انہیں ایک کتاب ”جمع الجوامع“ کی شکل میں مرتب کر دیا تھا ۔ اصول ترتیب یہ تھا کہ تمام اقوال حدیث کے پہلے لفظ کے اعتبار سے اور افعال راویوں کے نام کے اعتبار سے مرتب کئے گئے تھے یہ کتاب بنایت ضخیم ہو گئی تھی ۔ چنانچہ سیوطی نے ”الجامع الصغیر“ کے نام سے اس کا خلاصہ بھی تیار کیا ۔

علی تقی نے ”جمع الجوامع“ کی تمام حدیثوں کو مختلف عنوانائے تحت مرتب کیا اور یہ ترتیب کتاب فقہ کی ترتیب کے مطابق رکھی ۔ سب سے پہلے انہوں نے جامع الصغیر کی احادیث مرتب کر کے اس کا عنوان ”تنہاج العمال فی سنن الاقوال“ رکھا ۔ اس کے بعد جمع الجوامع کی باقی ماندہ قوی احادیث مرتب کیں ۔ اور اس کا عنوان ”... اکمال منہاج العمال“ رکھا ۔ بعد ازاں انہوں نے دروز مجموعوں کو ایک کتاب کی شکل دے دی ۔ اور اس کا نام ”غایۃ العمال“ رکھا ۔ کچھ حصے کے بعد انہوں نے ”جمع الجوامع“ کی احادیث فعل کو بھی ایک مجموعے کی شکل دے دی ۔ اور اس کا نام ”مستدرک الاقوال“ رکھا ۔ اور آخر میں انہوں نے ان تینوں مجموعوں کو یکجا کر دیا اور اس کا نام ”کنز العمال“ رکھا

کنز العمال اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ پوری کتاب کو چند حصوں میں تقسیم

کر دیا ہے۔ ہر حصہ کا نام کتاب رکھا ہے اور حروف تہجی کے لحاظ سے ان کو ترتیب دیا ہے پہلا حصہ یا کتاب "غایۃ الکمال" پر مشتمل ہے۔ جو کئی ابواب میں منقسم ہے دوسرا حصہ یا کتاب میں مستند روایے کو شامل کیا گیا ہے۔ غایۃ العمال میں پہلے منہاج اور اس کے بعد اکمال "کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ دونوں الگ الگ کتاب کے تحت نہیں بلکہ کتاب کے ذیلی ابواب کے تحت شامل کی گئی ہیں۔ کتاب میں احادیث کی تعداد ۱۸۰۴ ہے۔ حدیث کے مطالعہ اور حوالے کے لئے یہ بہت مفید اور اہم کتاب ہے۔ حیدر آباد دکن سے آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ ۱۰

اس کتاب کی افادیت کے پیش نظر شیخ علی متقی کے استاد ابوالحسن بکری

فرماتے ہیں کہ

"للسیوطی عنہ علی العالمین دلة منة علیہ"

## ۲۔ شؤون المنزلات

"اس میں انھوں نے آیات قرآنی کے سبب و محصل نزول کا تذکرہ کیا ہے جو مستند اور مسلم قرار دئے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے بعض الفاظ و جملوں کی نحوی و صرفی توضیحات بھی کی ہیں۔ اور ان موضوعات پر سند کا درجہ رکھنے والوں کے حوالے دئے ہیں۔ یہ پورے قرآن کریم کی تفسیر نہیں بلکہ شان نزول سے متعلق آیات کی تفسیر بیان کی ہے۔" ۱۰

۱۰ ۶۱ زبان و ادب میں پاک و ہند کا حصہ / ۴۳-۴۲

۱۱ ۶۱ ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۷۷

### ۳۔ تالخیص البیان فی علامات مہدی آخر الزمان

اس مجموعے کے مرتب بھی شیخ علی متقی ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب سید محمد جوینی (۱۵۰۲ھ) کے معتقدین کی ہدایت کے خیال سے لکھی تھی۔ کیوں کہ محمد جوینی نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ مرتب نے یہ بیان کیا ہے کہ سیوطی کی ”عرف الورد“ یا قاعدہ مرتب، بیوب اور منقسم نہیں تھی۔ اس لئے انھوں نے اس کو دوبارہ مرتب کیا۔ اور اس میں نئی چیزیں بھی شامل کر دی ہیں جو دوسری کتابوں سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب ایک مقدمہ اور تیرہ ابواب پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں مصنف نے بالکل واضح کر دیا ہے کہ سید محمد جوینی مہدی نہیں تھے، البتہ معلوم ہوتا ہے کہ علی متقی محمد جوینی کو ولی تو مانتے تھے مگر ساتھ ہی انھوں نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ ”لبعض اوقات ولی بھی خاص غلطی کر جاتے ہیں۔ خطا سے مبرا ہونا صرف انبیاء کا شان ہے۔“

اس مجموعہ میں احادیث اہل عنوانات کے تحت مرتب کی گئی ہیں۔

- |                                   |   |
|-----------------------------------|---|
| ۱۔ مہدی کی کرامات -               | ۲۔ ان کا سلسلہ نسب                      |
| ۳۔ ان کا حلیہ                     | ۴۔ ظہور مہدی سے قبل کے حالات            |
| ۵۔ علامات -                       | ۶۔ مہدی کی بیعت کس طرح کی جائے گی       |
| ۷۔ مہدی کے مددگار                 | ۸۔ ان کی فتوحات                         |
| ۹۔ حضرت عیسیٰ سے مہدی کی ملاقات - | ۱۰۔ مہدی کے قیام کی مدت                 |
| ۱۱۔ ان کی وفات -                  | ۱۲۔ مہدویت کا دعوٰی کرنے والوں کا تذکرہ |

۱۳۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے علماء کا فتویٰ۔ ۱۷

### ۴۔ جوامع الکلم فی المواعظ والحکم

مصنف کا بیان ہے کہ اس کتاب میں تین ہزار کے قریب نصاب جمع کئے گئے ہیں جن میں پانچ سو ایسے اقتباسات ہیں جو قرآن پاک سے ماخوذ ہیں۔ پانچ سو تفسیلات میں جو احادیث سے ماخوذ ہیں۔ اس کے علاوہ تین سو اقوال ابوہریرہؓ اور دیگر اصحاب کبار (۷۹۴ھ) کے اور ایک سو اقوال ان کے شاگرد کے ہیں۔ اور باقی ماندہ حصہ متقدمین کے اقوال پر مشتمل ہے۔ یہ تمام مواد مذکورہ بالا ترتیب کے مطابق کوئی اسی ابواب کے تحت حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے۔ مثلاً "باب فی الایمان" اور "باب فی الاحسان" وغیرہ وغیرہ، نوٹیت کے اعتبار سے یہ کتاب صرف ان لوگوں کے لئے دلچسپی رکھتی ہے۔ جو حافظ، مفسر یا محدث ہیں۔ اور تصوف سے بھی شغف رکھتے ہیں۔ یہ کتاب اخلاق کے موضوع پر ہے۔ ۲۰

## علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی (۹۴۸ - ۹۱۳ھ)

نام و نسب اور خاندانی حالات ۱

آپ کا نام محمد بن طاہر بن علی ہے۔ لقب، ملک المحدثین، اور وطن اصل پٹن علاقہ گجرات ہے۔ بعض لوگوں نے جمال الدین محمد طاہر لکھا ہے۔ ۳ اور بعض

۱۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ۷۸/۷۷-۷۷

۲۔ ایضاً ۱۱۶/ - ۳۔ النور السافر ۳۶۱/

نے محمد الدین محمد بن طاہر تحریر کیا ہے<sup>۱</sup>

کچھ لوگوں نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے

محمد بن طاہر بن علی بن الیاس، بن ابوالضر داؤد بن ابوشیعی عبدالملک  
بن ابوالفتح یونس شامی، بن عمر شامی، بن عبد الرحمن بن امیر المومنین حضرت  
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ،<sup>۲</sup>

لیکن یہ نسب نامہ حسب تصریح مآثر الکرام و صاحب اخبار الاخبار صحیح نہیں ہے  
کیوں کہ یہ دونوں شخصیات اس بات کی تصریح کرتی ہیں کہ شیخ محمد طاہر کا تعلق بوہرہ  
قوم سے تھا۔ غلام علی آزاد رقم طراز ہیں۔

”اما شیخ محمد طاہر یہ اتفاقاً جمہور از قوم بوہرہ است و کلام  
شیخ عبدالحق دہلوی در اخبار الاخبار ہم تصریح می کنند و صدیقی بعضی  
گویند بہ اعتبار نسب از جانب مادر بود و بعضی می گویند از  
جہت اعتقاد بود کہ چون شیخ خود را حیدری می گویند او خود را  
صدیقی خواند۔“<sup>۳</sup>

اس عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ شیخ محمد طاہر کا نسب بوہرہ قوم سے تھا  
ساتھ ہی ایک اہم بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض لوگوں نے انہیں صدیقی مادری نسبت

<sup>۱</sup> نزہۃ الخواطر ۲۹۸/۲ — تذکرہ غلام ہند، ۱/۲۰۲

<sup>۲</sup> تاریخ صوفیائے تجرات ۲۹۷/۲ -

<sup>۳</sup> مآثر الکرام - ۱/۱۹۶

کی وجہ سے کہا ہے۔ اور بعض نے اس وجہ سے کہ شیعہ خود کو حیدری کہتے تھے۔ شیخ ان کے مقابل خود کو صدیقی کہتے تھے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی طرف شیخ محمد طاہر کے نسب کو منسوب کرنے کی وجہ شیخ عبد اللہ طرفہ الرضائی کے وہ اشارے ہیں جو انھوں نے اپنے شاگرد شیخ عبد القادر جو کہ سلام طاہر کے پوتوں میں سے ہیں۔ اور مکہ میں سکونت پذیر تھے کئی مدح میں کہے ہیں۔

”قد کان جد ابیہ علی بن ضریحہ من اوحدا العلماء والفضلاء  
العلی محمد طاہر من منجی الصدیق حنفیہ بغیر مراۃ  
آپ کی ولادت ۹۱۳ھ - ۲ ۸۹۹ھ - ۳ ۹۱۲ھ - ۴  
کوہنر والا بیٹن صوبہ گجرات میں ہوئی۔

آپ کے دادا شیخ علی بن الیاس کا شمار بیٹن کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا۔ ان لوگوں کی تجارت وسیع پیمانے پر تھی۔ یمن، جدہ، مکہ، مدینہ، طائف، بصرہ، اور ہرنزے تجارت کرتے تھے۔ یہ لوگ کاغذ، کھواب، کاس گجراتی، مختلف قسم کے پٹے نیل، تلوار، کٹار، خنجر وغیرہ کا کاروبار کرتے تھے۔ یہ لوگ بوہرہ کہلاتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے! بھاٹ لوگوں کا خیال ہے کہ احمد شاہ اہل کے عہد میں برہمنوں اور مہا حنوں کو مسلمان بنایا گیا۔ وہی بوہرے یا بہرے کہلائے گئے۔ کیوں کہ ان لوگوں

۱۵ مائتہ الکرام - ۱۹۴/۱ - ۲۵ النور السافر - ۳۶۱/۱  
۳۵ النور مہینہ قسط ۵/۵ ۲۵ تذکرہ علماء ہند ۱/۲۰۰م و تاریخ  
صوبہ گجرات ۲۶۱/۱

نے عرب کے ساتھ یوہا کر (بیوپار) شروع کر دیا۔ اس وجہ سے ان لوگوں کو یوہا کرے اور کثرتِ استعمال سے یوہا کہنے لگے۔ یوہا مختلف نسلوں اور مختلف قوموں کا مجموعہ ہے سنی، شیعہ، عربی، ہندی، ایرانی، عراقی، قدیم الاسلام اور جدید الاسلام، غرض یہ ہے کہ سب شامل ہیں۔ ۱۰

سلام محمد طاہر کو اپنے والد کے ترکے میں بہت دولت ملی تھی وہ اپنے تحصیلِ علم اور نادار طلبہ کی اعانت میں خرچ کر ڈالی، آپ نے کتاب و مدارس کے اساتذہ کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا تھا کہ جو طالبِ علم بھی دین ہو اسے میرے پاس بھیج «، اگر اُنے والا مال دار ہوتا تو فرماتے کہ ”علم حاصل کر“ اور اگر غریب ہوتا تو فرماتے کہ ”علم حاصل کر“ اور اہل دیال کے حرف و نفع کی طرف سے بے فکر رہ، میں اس کا کفیل ہوں۔

صاحب النور السافر اس بابت رقم طراز ہیں !

«وورث من ابیہ ما لا جزیلًا قال فقہہ علی طلبۃ العلم الشریف وکان یرسل الی معلم الصبیان ویقول ! ایہا صبی حسن ذکاؤہ وجید فہمہ، ارسیلہ، الی، فیرسل الیہ فیقول لہ، کیف حالک؟ فان کان غنیاً یقول لہ، ! تعلم، وان کان فقیراً یقول لہ، ! تعلم ولا تمہتم فکن فارغ الیال واجتہد فی تحصیل العلم فکان یفعل ذالک بجمیع من یتیم من الضعفاء و

الفقراء و يعطيهم قلوب ما و نطفة لهم حتى صار منهم  
جماعة كثيرة علماء ذوا فنون كثيرة فانفق جميع ماله  
في ذلك " ۱

منج لوگوں نے آپ کے متعلق آئے والد بزرگوار سے پیش گوئی کی تھی : اگر یہ  
سعادت مند بڑا سیدھے راستے پر چلا تو فضل و کمال کا بڑا مرتبہ پائے گا۔ اور حق  
تعالیٰ کا قرب اس درجہ اس کو حاصل ہوگا کہ بڑے بڑے اولیاء کامل اور راصل  
برحق بھی اس درجہ کے آرزو مند ہوں گے۔ اور اگر اس کے برخلاف بڑے راستے  
پر چلا تو اس کو بھی حد کمال تک پہنچا دے گا۔ ۲

### تسلیم و تربیت :

آپ کی ابتدائی تسلیم گھر پر ہوئی ، نو عمری میں قرآن حفظ کر لیا۔ پندرہ  
سال کی عمر میں علوم فقہیہ و عقلیہ سے فارغ ہو گئے اور ذرا سی عمر میں ہی علم  
حدیث کے منفرد عالم اور یکتائے زمانہ محدث ہو گئے۔ کم از کم گجرات میں حدیث کا  
جاننے والا آپ سے بڑھ کر نہیں تھا۔

النور السافر کے مولف اس بابت رقم طراز ہیں ، ۳

وحفظ القرآن وهو لم يبلغ الحنث وجد في طلب العلم  
ومكث كذلك نحو خمس عشرة سنة وبرع في فنون

۱ النور السافر / ۳۶۲

۲ تاریخ صونیہ گجرات / ۲۶۸



عديده وفاق الاقران حتى لم يعلم ان احداً من علماء  
 کجرات بلغ مبلغه في فن الحديث كذا قاله بعض مشايخنا  
 علام طهر زمانه طالب علمی میں نہایت ذہین اور تیز طبع تھے۔ مقابلہ اور مناظرہ میں  
 کوئی آپ سے سبقت نہ لیجاتا۔ نتیجہ وہ حدود رشک کے شکار ہوئے۔ ساتھیوں  
 کی طرف سے کچھ ناگوار خاطر اور پیش آئے۔ کبیدہ خاطر ہوئے۔ اور جب ہی یہ نذرمان  
 لی۔

”وہی انہ فی ایام تحصیلہ فاسی من الطلبة وغيرہم شدائد  
 فقدر ان رزقہ اللہ علما ليقو عن ينشروا ابتغاء  
 بمرضاہ اللہ ولما تم له ذالک فعل کذا اللہ وقام  
 به احتساباً للہ فانفع بتدریسہ عوالم لا تحصى رحمہ  
 اللہ“ ۲

(آپ کے متعلق یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ دوران تحصیل علم طلبہ اور دیگر  
 حضرات کی طرف سے آپ کے ساتھ کچھ سخت معاملات اور غلط سلوک پیش آئے، اسی  
 وقت انھوں نے یہ نذرمان لی کہ اگر اللہ نے انھیں علم عطا کیا۔ یا تو وہ یہ کام صرف  
 رضائے الہی کے واسطے کریں گے۔ اور آپ نے فارغ ہو کر ایسا ہی کیا۔ خلق کثیر  
 نے آپ سے فیض پایا۔)

شیخ محمد طاہر ۹۴۲ھ میں حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر حج کا فرض ادا کیا، اور وہاں کے اساتذہ، اہل فضل و کمال اور اصحاب حدیث سے نہایت تحقیق اور اسناد سے فن حدیث حاصل کیا۔ بالخصوص شیخ علی بن حسام الدین المثنیٰ سے تو حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے۔ علامہ کو اپنے شیخ سے دارہانہ عقیدت تھی۔ وہ اس ارادت کا اظہار اپنی کتابوں کے مقدموں میں تو صیغی انداز میں کرتے ہیں۔ مکہ سے واپس آ کر تدریس، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور بدعات و منکرات کی بینہ کنی میں مصروف ہو گئے۔

آپ کا دستور تھا کہ اپنے پیروں کی وصیت کے مطابق اپنے ہاتھ سے روشنائی بنا کر طالب علموں کو مفت دیا کرتے تھے۔ پڑھاتے وقت بھی زبان سے پڑھاتے اور ہاتھ سے روشنائی گھولتے اور کہتے کہ ہاتھوں کو کام میں لگا رہنا چاہئے۔ ۱۰

### اساتذہ

آپ کے وہ اساتذہ جن سے ہندوستان میں علم حاصل کیا۔ یہ ہیں۔  
 ”مولانا شیخ ناگوری، استاذ الزمان علامہ، شیخ برہان الدین سہوڑی  
 مولانا ید اللہ سوہی۔“ ۱۱

اور وہ اساتذہ جن سے قیام حجاز کے دوران علمی استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں۔  
 شیخ حسن بکری، شیخ ابن عمر علی، شیخ علی بن طراقی، سید عبد اللہ علوی

شیخ جبار اللہ بن مہر ، شیخ عبداللہ زبیدی ، شیخ عبداللہ حفصی ، شیخ  
برخوردار سندھی ، اور شیخ علی متقی ہندی۔ ۱

### تلامذہ :

آپ کے تلامذہ میں محمد فضل ، شیخ ضیاء الدین شیخ محمد غوث  
گوالیاری ، مولانا میاں احمد خاں پٹنی ، شیخ داؤد بن شیخ حسن ، مولانا یربان الدین  
واعظ ، مولانا احمد ، مولانا اسحاق میاں جلال ، مولانا شاہ محمد حسن ، مولانا میاں  
نور محمد حسن ، مولانا میاں عبدال بن فتح اللہ مسازنگ پوری ، مولانا شیخ محمد شطاری  
مولانا شیخ جیون سورتی - مولانا شیخ حسین سورتی ، شیخ عبدالہادی احمد آبادی ، شیخ  
فرید کاسب پٹنی اور شیخ عبدالنبی صدر الصدور زیادہ مشہور ہیں - ۲

### شہادت

آپ کا تعلق گجرات کی بوہرہ قوم سے تھا ، شیخ محمد طاہر کے وقت میں یہ قوم دو حصوں میں  
یاد دہینوں میں منقسم تھی - ایک جماعت شیعہ اسماعیلیہ کی تھی ، جو کہ اسماعیل بن امام جعفر صادق  
کو امام مانتی تھی - اس جماعت کو جماعت خرد ( چھوٹی جماعت ) کہتے تھے - اور دوسرا فرقہ اہل سنت  
والجماعت کا تھا - اسے جماعت کلاں ( بڑی جماعت ) کہتے تھے ، محدث پٹنی کا تعلق آخر الذکر  
فرقے سے تھا - اس جماعت میں بھی سہدی جو بنوری کی تحریک " مہدویہ " کا زور ہوا  
چلا تھا ، اور طرح طرح کی بدعات و رسومات رائج تھیں - آپ نے اپنی قوم کو ان منکرات سے

۱۔ انوار السافر / ۳۴۲ - انکشاف النبلاء / ۶ / ۹۸-۳۹۷

۲۔ تاریخ صوفیائے گجرات / ۲۸۳

بچانے کا بیڑا اٹھایا۔ نتیجتاً ہمدی فرقے کے کٹر لوگ آپ کے درپے آزار ہو گئے۔  
نواب صدیق حسن خاں نے تحاف النبلاء میں اس قوم کی تقسیم کو اس طرح بیان کیا ہے۔

”دو فرقہ اندلیکی شیعہ اسماعیلیہ۔۔۔ والیشاں جماعت خود گویند۔۔۔ دوم  
اہل سنت جماعت، والیشاں را جماعت کلاں گویند، والیشاں درپٹن  
گجرات واحد آباد ساکن اند۔ شیخ محمد طاہر مذکور ہم از الیشاں  
بودند و در زمان سابق ہمدی فریق با ہم مختلط بودند و امتیاز در میان  
نبود شیخ محمد طاہر درپٹن سید محمد جعفر در احمد آباد و عالم بزرگ  
بودند یا شار ت بنویم علی الصلوٰۃ والسلام ہمدی فریق را از ہم جدا  
کردند و دریں باب سعی بلیغ مبذول داشتند تا ہمدی فریق اہم جدا  
شد و بعد ازاں اختلاط را با ہم امکان نماند۔“ ۱

شیخ محمد طاہر کے زمانے میں گجرات کے اندر ہمدی فرقے کی تعداد اور قوت بڑھتی  
جا رہی تھی، وہ اپنے مخالفین کو سخت ایذا میں حتیٰ کہ قتل تک کر دیتے تھے۔ اس  
فرقہ کے بانی سید محمد جوئیوری ہیں جو اپنا شجرۃ نسب حضرت علیؑ تک پہنچاتے ہیں  
ان کا لقب ”خاتم الاولیاء“ المعروف بہ ہمدی موعود اور ”اسد العلماء“ تھا۔ یہ  
شاہ حسین شرفی کے ساتھ اڑیسہ کی جنگ میں بھی شریک ہوئے۔ جوئیوری سے ہجرت  
کے مختلف صوبوں کی سیر کرتے ہوئے گجرات پہنچے۔ لوگ عجیب و غریب کرامات دیکھ  
کر ان کے مرید و معتقد ہوتے گئے۔ بالآخر گجرات میں یہ فرقہ خوب پھیلا پھولا، کبھی یہ

خاموش رہتا تو کبھی سراپا بھار لیتا۔ شیخ محمد طاہر نے عقل و نقلی دلائل سے ان کے عقائد کی تردید کی۔ تحریر و تقریر سے بھی اس فرقہ کا رد کیا۔ ایک رسالہ ”لصیحة الولاة“ لکھ کر حاکم پٹن شیر خاں فولا دی کے پاس بھیجا۔ آپ کی تقریر اور تحریر سے خائف ہو کر اس فرقے کے ایک شخص نے آپ پر تلوار سے حملہ کیا۔ زخمی ہونے کے باوجود اپنی کوششوں کو جاری رکھا۔ پٹن سے احمد آباد اس خیال سے تشریف لے گئے کہ وہاں امراء و وزراء اور اراکین دولت کی اعانت حاصل ہوگی۔ مگر جب کسی کو اس طرف متوجہ نہ پایا تو اپنے سر سے غماخ اتار دیا۔ اور یہ ملحد کر لیا کہ جب تک یہ بدعات اور گمراہ کن عقائد ختم نہ ہوں گے سر پر غماخ نہ باندھوں گا، اور ننگے سر ہی بدعات کے استیصال میں مشغول رہے۔

جب ۹۸۰ھ میں ابر بادشاہ نے گجرات کو فتح کیا اور آپ سے اس کی ملاقات ہوئی تو اس نے اپنے ہاتھ سے سر پر گڑی باندھی اور کہا کہ ترک دستار کا سبب میں نے سن لیا ہے۔ اب دین مبین کی نصرت آپ کے ارادہ کے مطابق چھویر لازم ہے۔

”فلما فتح اکبر شاہ الیموری بلاد گجرات سنة ثمانین وتسعم  
مائة واجتمع بالشيخ محمد بن طاهر عمه“ بیدہ وقال  
علی ذی لصرۃ الدین وکسر الفرقۃ المبتدعۃ وفوق  
ادادک ” لہ

جہانگیر نے خان اعظم مرزا عزیز کو گجرات کا گورنر بنایا۔ یہ خود بھی راسخ العقیدہ  
سنی مسلمان تھا۔ اس کی مدد سے بدعات و رسومات کا کچھ حادثہ خاتم ہوا، لیکن

مقررے ہی دنوں کے بعد عبدالرحیم خانخانان گجرات کا حاکم بنا ، اس کی حمایت سے ہدی فرتے نے پھر زور پکڑا۔ شیخ ظاہر نے پھر گڑھی سر سے اناردی اور دارالسلطنت آگرہ جانے کا ارادہ کیا۔ ہرچند شیخ وجیہ الدین سلوی نے کنایت منع کر کے فرمایا کہ یہ دنیا مظهر اسماء جلالی وصالی ہے۔ حفظ آثار اور احکام پر اس مراط مستقیم ہے۔ مگر علامہ پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا۔ آپ نے کوچ کر ہی دیا۔ مخالفوں کی ایک جماعت بھا آپ کے پیچھے لگ گئی۔ اور اس نے آپ کو لہجہ کی غماز بڑھتے ہوئے اجین و سارنگ کے درمیان ۴، شوال ۹۸۶ھ میں شہید کر دیا۔ شہنشاہ اکبر نے آپ کی نعش سارنگ پور سے پٹن لے جانے کا حکم دیا۔ اب آپ کا حراز مبارک پٹن میں ہے۔ لہ

آپ کی ردد بدعت کی کوششوں کو سراہتے ہوئے النور السافر نے طوف لکھتے ہیں !

استشهد الرجل الصالح --- محمد طاہر --- علی بد المبتدعة

من فرقتی الرافضة السیابة والمهدویة القتالة ، وسبب

ذالک انه کان ینافرهم ویناظرهم ویریدهم یرجعون

الی الحق ویترکون ما هم علیہ من الضلالة والزندقۃ وکان

هذا دابہ ابدأ وجری لہ عہم وفائع کثیرہ ، وقهرهم

فی مجالس عدیدہ ، واطهر فضاہم وکشف خز عیلاتهم

ودفعہم وارض حجتہم وابطلہا دبالغ فی الرد علیہم

والتخویر علیہم حتی قال بکفرهم وجزم بخروجہم من الدین دا

لہ اتحاف النبلاء / ۳۹۸ ، مآثر الکرام - ۱ / ۱۹۵ ، حقائق الحنفیہ / ۸۴ - ۳۸۴

والملّة والمنہم القویم وضلادہم عن الصراط المستقیم واراد  
اعدام هذا المذہب القبیح رأساً ومسعى فی ذالک سعياً  
بلیغاً " ۱۰

### عظیم وفضل :

بلاشبہ شیخ محمد طاہر اسلامی ہند کے قابل فخر محدث ، عالم بے بدل ، فاطح مدیت  
اور محی السنہ تھے ۔ دین مبین اور شرع متین کے حالی اور مددگار تھے ۔ انھوں نے اپنی زندگی  
کے آخری سال تک دین تحفیف کی نصرت کی اور اسی راستے میں اپنا جان سربر بھی دے  
دی ۔ آپ ہی نے ہندوستان میں مسلم حدیث کو رائج کیا ۔ ایک طویل زمانے تک درس  
و تدریس کی محفل سے طالبان حدیث کو فیض پہنچایا ۔ اور اپنے اجداد صاحب حدیث کی مال قدر  
حماقت چھوڑی جس نے شیخ کے سننا اور عقید کو بعد کے زمانے میں حاری و ساری رکھا  
سلام طاہر نے عوام درس و تدریس پر ہی اکتفا نہیں کیا ۔ بلکہ مسلم حدیث میں گراں قدر  
تالیفات بھی یادگار چھوڑی ہیں ۔ جو شیخ کے تبحر فی الحدیث ، فنکارانہ حذاقت اور فن حدیث  
پر مکمل دسترس کا پتہ دیتی ہیں ۔ ان کی کتابیں اسلامی کتب خانوں کی شان اور مضامین  
پائے تعلیم کی جان ہیں ۔ اہل غرب و محی ال کی تصانیف سے اسی طرح استفادہ کرتے ہیں  
جس طرح ہندوستان کے اہل علم عرب مصنفین کی کتابوں سے ، سلام طاہر صرف  
ایک گوشہ نشین زاہد ، خداترس بزرگ اور یا خدا مہونی ہی نہ تھے بلکہ وہ اعلیٰ تحریر و  
تصنیف کے بادشاہ بھی تھے ۔ شیخ طاہر کی عظمت شان کا علم اس سے ہوتا ہے کہ !

”ایک مرتبہ شیخ علی متقی نے خواب میں نبیؐ کی زیارت کی، پوچھا اس وقت سب سے بہتر کون ہے؟ آپؐ نے فرمایا - تم - پھر شیخ نے دریافت کیا کہ میرے پورے کون؟ آپؐ نے جواب دیا، ”محمد بن طاہر بالہند“ ٹھیک اسی رات کو یہی خواب ان کے شاگرد شیخ عبدالوہابؒ نے بھی دیکھا۔ اور شیخ سے بیان کیا۔ شیخ نے اس کی تصدیق کی۔ یہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ”اختیار الانبیاء“ میں یہ واقعہ اور خواب میاں غیاث ساکن بھڑوچ صوبہ گجرات کے حالات میں لکھا ہے کہ شیخ عبدالوہاب خلیفہ شیخ علی متقیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک دفعہ آپؐ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اس زمانے میں کون افضل الناس ہے؟ - آپؐ نے فرمایا، ”میاں غیاث، پھر تیرا، شیخ پھر محمد طاہرؒ“

مآثر الکرام میں سلام علی آزاد شیخ محمد طاہر کے متعلق لکھتے ہیں۔

”خادم حدیث نبوی و ناصر سنن مصطفوی اسرت“ ۳

النور الافز کے مولف آپؐ کو ”رحل صلح، سلامہ اور ملک المحدثین“ ۴

جیسے لائق خرافا سے یاد کرتے ہیں۔

تصانیف :-

آپؐ کی علمی کاوشیں فنی بہارت کا زندہ و جاوید شاہکار اور مواد و ہیئت کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔ لیکن انہوں نے ان بیش بہا موتیوں میں سے اچھا خاصا حصہ ضائع ہو گیا۔ اور بہت کم ہی زیور طباعت سے آراستہ ہو پایا ہے۔

۱۔ نزہۃ الخواطر، ۲۹۸/۳ ۲۔ انوار صوفیاء، ۵/۵۵

۳۔ مآثر الکرام ۱۹۸/۱ ۴۔ النور الافز ۳۶۱/۳



در شرح ذیل کتاب میں آپ کی تصانیف ہیں ۔

- |                                   |                                  |
|-----------------------------------|----------------------------------|
| ۱۔ حاشیہ صحیح بخاری               | ۲۔ حاشیہ صحیح مسلم               |
| ۳۔ حاشیہ مشکوٰۃ المصابیح          | ۴۔ جہل حدیث                      |
| ۵۔ غرر الحفیدین                   | ۶۔ نہاج السالکین                 |
| ۷۔ نوکس فی تفسیر الالباب          | ۸۔ حاشیہ تلویح و توضیح           |
| ۹۔ شرح مفیدہ                      | ۱۰۔ طبقات حنفیہ                  |
| ۱۱۔ رسالہ تہذیب و اصلاح عامہ علیہ | ۱۲۔ مختصر منظومہ                 |
| ۱۳۔ رسالہ اسباق نظر               | ۱۴۔ رسالہ احکام کبیر             |
| ۱۵۔ رخصات البیان                  | ۱۶۔ نصیحة الولاة والرعاة والرعية |
| ۱۷۔ خلاصۃ الجوائد                 | ۱۸۔ دستور الصرف                  |
| ۱۹۔ رسالہ تجلیہ                   | ۲۰۔ تذکرۃ الموضوعات              |
| ۲۱۔ مجموعہ حکایات الانوار         | ۲۲۔ کفایۃ المفزہین (شرح شافعیہ)  |
| ۲۳۔ رخصات المفزہین                |                                  |

۲۴۔ قانون الموضوعات فی ذکر الضعفاء والوضعیین

ہم بیان الفاظی چند کتابوں کا تعارف پیش کرتے ہیں۔

۱۔ تاریخ صوفیاء و کبریات - ۲۸۵ / - دائرۃ معارف / امم

۲۔ تذکرۃ علماء ہند / امم

### معجم بحار الانوار :-

اس کا پورا نام ”معجم بحار الانوار فی غرائب التزیل و نطائف الاحبار“ ہے۔ یہ شیخ علی سب سے مشہور اور اہم کتاب ہے۔ الخوئے یہ معجم اپنے سرشد شیخ علی نقی کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ بہت ہی ضخیم کتاب ہے۔ مطبع نوکلستور، نجر اور حیدرآباد سے شائع ہو چکی ہے۔

یہ حدیث اور قرآن دونوں کی بہت جامع فرہنگ ہے۔ مگر علماء محدثین کے اطراف کے مطابق وہ درحقیقت صحاح ستہ کی شرح ہے۔ اور اسلامی بند کا عالیہ ناز کا نام ہے۔ اس میں الفاظ، مصادر کے حروف کے اعتبار سے مرتب کئے گئے ہیں۔ احادیث میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کے مصادر اور تمام مشتقات اس فرہنگ میں موجود ہیں اور جن احادیث میں یہ الفاظ آئے ہیں ان کا متن بھی درج کر دیا ہے۔ شیخ نے الفاظ کے معنی لکھے پر یہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ متعلقہ حدیث کے بارے میں وضاحت طلب نکات کی تشریح بھی کی ہے۔ اس معجم سے پہلے اس قسم کی جتنی کتابیں لکھی گئی تھیں وہ سب اس کے سامنے غائب ہو گئیں۔ بلاشبہ ان کی یہ تصنیف خدام احادیث نبوی کے لئے مشکل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عیدالحی اس کتاب کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

”وہو کتاب متفق علی قبولہ بین اہل العلم عذرا ظہری

الوجود دلہ منہ عظیمہ۔ بذالک العمل علی

اہل العلم۔“

لہ نزہۃ الخواطر۔ ۳۰۱/۲

ایک اقتباس بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

حرف العین بابہ مع الیاء نہ فہیم زدنبا، الغبان  
تروالابل الماء یوماً وندعة یوماً ثم تعود غنقلہ الح  
الزیارة ان جاء بعد ایام یقال غب الرجل اذا جاء  
زائراً بعد ایام وقال الحسن فی کل اسبوع ومنہ الغوا  
فی زیارة المریض لا تعود فکل یوم لصاحبہ من ثقل العواد  
ومنہ فہی عن الترحیل الاغیا تحرراً عن الالہتمام  
بالتزین والمواظبة والتهالك ومنہ یا کون اللحم  
الاغیا ای لا یدعون علی اکلہ وهو فی اورد الابل  
ان تشرب یوماً وندعة یوماً وخی غیرہ ان تفعل الشئ  
یوماً وندعة ایام۔ ۱

### تذکرۃ الموضوعات :

یہ موضوع حدیثوں کے بیان میں ہے۔ یہ کتاب عبد الجلیل سامرودی سورنالی  
نصیح کے <sup>ساتھ</sup> ماہرہ (مصر) سے طبع ہو چکی ہے۔ مصنف نے اس کے مقدمہ میں لکھا ہے  
کہ انتہائی مصروفیت اور ارباب حکومت کے مظالم کے باوجود بعض اعزہ و احباب کے  
امرار پر ۹۵۸ھ میں اس کو لکھ ڈالا۔ یہ کتاب مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل

۱۔ ۲۔

کتاب الصلوٰۃ ، کتاب اسماء ، اشیا ، کتاب فضیلة جمعة ،  
باب طلب الحلال ، یا السلام والمصافحة ، باب امام مادن و ظالم  
وغیرہا ۔ پھر ہر عنوان کی جو موضوع حدیثیں ملیں ان کو تحریر کیا ہے ۔  
اس طرح سے تمام موضوع احادیث کو ایک جگہ جمع کر دیا ۔

کتاب کے مقدمہ میں مصنف نے یہ تنبیہ کی ہے کہ کسی حدیث کو محض اس بنا پر  
موضوع قرار نہ دیا جائے کہ اس کو کسی نے موضوع کہا ہے ۔ بلکہ اس بارے میں مستند  
کتب حدیث سے رجوع کرتے کے بعد ہی فیصلہ کیا جائے گا ۔ بطور مثال محمد طاہر نے لکھا  
ہے کہ ابن جوزی نے اپنی کتاب موضوعات میں اسی احادیث بھی شامل کر لی ہیں جو  
حسن قرار دی گئی ہیں ۔ اور ان کے علاوہ کچھ ضعیف احادیث بھی ہیں ۔ اس کے  
بعد مصنف نے ان احادیث کے حسن و قبح پر تنقیدی بحث کی ہے ۔ جو کسی نہ کسی عالم  
نے موضوع قرار دی ہیں ۔ اس موضوع پر یہ ایک مفید کتاب ہے ۔  
مثال ملاحظہ ہو ۔

”فی الخلاصة : ”الیقین لا یامان کلم“ موضوع : قالہ  
الصنّاعی و الاستحواوی ” الا یمان عقد بالقلب و اقتراد  
باللسان و عمل بالارکان ” حکم بن الجوزی بوضعه  
و هو عن حدیث عبد السلام بن صالح عند بن ماجة  
و فی الوجیز معاذ بن جبل ” الا یمان یترید و ینقص  
اعلمہ ، یعماد بن مطرف ، منکر الحدیث : قلت قد اخرجہ

احمد و ابو داؤد سن وجہ آخر جید عن معاذ و سکت  
علیہ ابو داؤد فهو صالح عنده وله شواهد عن ابی  
هريرة وابن عباس و ابی الدرداء موقوفاً۔۔ لے

### تالوف الموضوعات :

یہ بھی علامہ محمد طاہر پٹنی کی تالیف ہے۔ اور تذکرۃ الموضوعات کے ساتھ مصرعے چھپی  
ہے۔ مقدمہ میں لکھا ہے کہ تذکرۃ الموضوعات ختم ہونے پر اس کو تحریر کیا ہے۔

اس میں مولف نے ان راویوں کو جمع کیا ہے جو حدیثیں جمع کرتے تھے۔ یا موضوع  
حدیثیں بیان کرتے تھے۔ ان لوگوں کے نام حروف تہجی سے دئے گئے ہیں۔ آخر میں دو فصلیں کنیت  
اور نسب میں لکھی گئیں ہیں۔ اور سب سے آخر میں سمرودی کے ترجمۃ المولف کے عنوان سے شیخ  
کا سوانح عمری تحریر کیا ہے۔

مصنف نے راویوں کے نام اور ان کے اصناف کے ساتھ ساتھ کتابوں کا بھی حوالہ دیا ہے  
مثلاً اللآلی سلال الدین سیوطی، اس کتاب میں راویوں کا پورا نام لکھ کر ان کا غیر معتبر ہونا  
نکھایا ہے۔ مثلاً۔

غالب بن عبید اللہ الجزری	-	لیس بشی
غریب بن عبد الواحد الفرشی	-	مجهول
عنان بن امان الحنفی	-	یروی عجائب
غیاث بن ابراہیم	-	کذاب

مسلم خلیل - - وضاع  
 العرج بن فضالہ - - صنیف  
 الفرات بن السائب - - مکتوب  
 الفضل بن حرب البجلی - - غیر محفوظ  
 الفضل بن عبداللہ بن مسعود شکری - لا يجوز الاحتیاج بہ - ۱۰

### کفایۃ المفہمین :

یہ تالیف (۷۷) کی شرح ہے۔ اور ۹۷۱ھ کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک نسخہ  
 درگاہ پیر محمد شاہ احمد آباد کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ توسط تقطیع ۱۲۔ طویل وریض  
 خط نسخ زبان عربی ہے۔ ہر صفحہ پر شہرہ مطریں ہیں۔ اور کل صفحات ۱۵ ہیں۔ تالیف  
 کا سن نہیں دیا گیا ہے۔ کاغذ احمد آبادی سفید ہے۔ تالیف کا متن سرفی سے دیا  
 گیا ہے اور اس کی شرح سیاہی سے لکھی گئی ہے۔ کہیں کہیں حاشیہ بھی ہے جو کسی دوسرے  
 شخص کا ہے۔ اور اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کتابت کے وقت دوسرے نسخے بھی موجود تھے  
 شرح کے متعلق یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ ظاہر سلوک کے لئے لکھی گئی ہے۔ اسی لئے  
 آسان ترین الفاظ میں تشریح کی گئی ہے۔ کہیں کہیں لغوی معنی بھی بتا دیے ہیں۔ اور کہیں غیر  
 معروف تالیفیں بھی دی ہیں۔ کتاب کا آغاز الحمد للہ الذی بیدہہ الجود والکریم  
 اور اختتام - الحمد للہ الذی اولاً و آخراً والصلوۃ والسلام علی سیدنا  
 محمد والہ وصحبہ اجمعین ۹ پر ہوا ہے۔ ۱۰

۱۰ علی زمانہ دارب - عبدغنیہ میں / ۱۳۱ ۱۰ ایضاً - / ۱۳۲

## شیخ وجیہ الدین عسوی گجراتی : (۹۹۷ - ۹۱۰ھ)

گجرات کے آسمان پر دو ایسے آفتاب و مانتاب چمکے جن کے علمی کارناموں کی شہائیں نہ صرف صوبہ گجرات بلکہ پورے اسلامی ہندوستان کی سر زمین پر پڑیں۔ ان میں ایک محدث ہے بدلِ سلامہ شیخ محمد طاہر گجراتی ہیں اور دوسری مقدس ہستی جناب شاہ وجیہ الدین عسوی گجراتی کی ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے وجود سے علمی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، اور تشنگانِ علم کی جس کثرت تعداد نے ان سے سیرابی حاصل کی۔ شاید گجرات میں کوئی دوسری ذات ان کے مقابل نکل سکے۔ ان میں سے خصوصیت سے شاہ وجیہ الدین کا فیضانِ مدد اور تلامذہ کی شکل میں صدیوں تک رہا۔ ان کے احسان سے اسلامی ہندوستان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا۔

### نام و نسب :

آپ کا نام سید احمد اور وجیہ الدین لفظ ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اے سلسلہ نسب یہ ہے۔ سید احمد بن قاضی سید نصر اللہ بن قاضی سید عماد الدین بن قاضی سید عطاء الدین بن قاضی سید معین الدین بن سید بہاؤ الدین بن سید کبیر الدین : ۱

آپ کے مورث اعلیٰ حضرت بہاؤ الدین بن کبیر الدین - حج کو گئے ہوئے تھے کہ

۱ خزینۃ الاصفیاء - ۳۳۶/۲

۲ معارف - ج ۳۱/۳ ش ۲ و لم - صف ۱۱۲ - ۱۹۳۶ھ

کے طواف کا ساتواں چکر تھا۔ ندا آئی کہ سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں! ”ہندوستان جاؤ، اور وہاں سکونت اختیار کرو، گجرات میں طالبانِ مسلم و تشنگانِ رشد کی رہنمائی کرو، اور ان کو حقیقت و معرفت کے چشمے کا پانی پلاؤ، وہاں ظلمت و تاریکی پھیلی ہوئی ہے۔ اس کو دور کرو، پیغامِ حق پہنچاؤ اور لوگوں کو راہِ راست پر لاؤ۔“

”سید کبر الدین جو آپا کے جدِ امجد ہیں ان کا اصل وطن یمن تھا لیکن مکہ معظمہ میں آکر مقیم ہو گئے۔ اسی لحاظ سے بعض لوگوں نے انہیں ملکی کہا ہے۔“ ۱۔ یہ بزرگ اٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی ہجری کی ابتداء میں بہ مہد مظفر شاہ اول، گجرات تشریف لائے۔ اور مقامِ پاٹری ضلع جھالاواڑ میں مقیم ہو گئے۔ ان کے بعد ان کے لڑکے جالندین ہوئے۔ اور حکامِ وقت کی طرف سے عہدِ قضا پر مامور ہوئے۔ ان کے بعد یہ سلسلہ قضا شاہ وجیہ الدین کے خاندان کے افراد میں تقریباً برابر جاری رہا۔ شاہ صاحب کے والد بزرگ وار سید قاضی نضر اللہ محمود ہیکڑہ کے آخر عہد میں بمقام جاپانیر قاضی مقرر کئے گئے۔ اور اسی مقام پر قاضی صاحب کی ولادت ۲۲، محرم ۹۱۰ھ کو ہوئی۔ لفظ شیخ سے ان کی ولادت کی تاریخ نکلتی ہے۔ تقریباً سات آٹھ برس جاپانیر میں مقیم رہے۔ سلطان مظفر شاہ دوم نے آپا کے والد کو اپنے پاس احمد آباد بلا لیا۔ کیوں کہ وہ اکڑا اور سلطنت میں ان سے مشورہ لیتا تھا۔

---

۱۔ تاریخِ صوفیائے گجرات ۲۰۹

۲۔ معارفِ ح ۳۱ / ش ۲ - ۲ - صفحہ ۱۱۲ ۶ ۱۹۳۳



## تعلیم و تربیت :

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد کی نگرانی میں گھر ہی پر ہوئی۔ شاہ  
 وجہ الدین کو قدر نے اپنے عطیات، ذہانت، دکاوت اور یادداشت کا دافر حصہ  
 عطا کیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے سات سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اس کے  
 بعد علوم متداولہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اپنے چچا سید شمس الدین صاحب سے  
 ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ بعد ازاں اپنے ماموں سید ابوالقاسم سے حدیث کا درس لیا  
 جب پندرہ سال کے ہوئے تو سلام محمد بن محمد مکی سے حدیث کا اختتام فرمایا اور سب  
 سے آخر میں محدث ابوالبرکات بنیانی عرف عباسی کو حدیثیں سنائیں۔

”آپ نے علوم عقلیہ علاوہ جلال الدین دوانی کے شاگردانا عماد الدین طاری اور ابوالفضل  
 مظہر الدین محمد گادہ رونی جیسے بکائے روزگار سے حاصل کئے۔ ۲۲ سال کی عمر میں شاہ نے علوم  
 ظاہری کی تکمیل فرمائی اور ”وجہ“ ”ادہ تاریخ“ لے

## ارشاد و سلوک :

”ابتداء اپنے والد ہی سے چشتیہ اور غریبہ طریقوں کو سیکھتے رہے۔ لیکن کچھ دنوں  
 حضرت شاہ فاضل چشتی کی صحبت میں رہے۔ ان سے مستفیض ہوئے اور خرقہ بھی پہنا۔ ان  
 کے انتقال کے بعد بنیاں بدرالدین ابوالقاسم سہروردی کی طرف متوجہ ہوئے اور حضرت نجم  
 الدین کی صحبت میں رہے۔ اور عماد الدین طاری کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے۔“ لے

لے معارف ج ۳ / ش ۲ / ۱۹۳۳ / ۶ / صفحہ ۱۱  
 لے تاریخ مونیائے گجرات / ۲۱۲ - حدائق الحنفیہ / ۳۸۹ - معارف حوالہ بالا۔

ان مذکورہ بزرگوں کے علاوہ آپ کو حضرت محمد غوث گوالباری سے خاص روحانی تعلق تھا۔ اور وہی دراصل آپ کے پیرو مرشد ہیں۔ ساتھ کہ حضرت غوث سے عقیدت و ارادت کے متعلق تذکرہ نویس ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔

”و چون شیخ محمد غوث گجرات رفتند شیخ علی متقی کہ صاحب علوم ظاہر و باطن بودند یا جمعی از علماء ظاہر بسبب بعض سخنان بلند فتویٰ بر قتل الیساں نوشتند و حاکم آنجا فتویٰ را موقوف بہ نوشتن شیخ وجہ الدین داشت چون الیساں بخانہ شیخ محمد غوث رفتند در دیدن او فریفتہ شیخ گشتند و کاغذ فتویٰ را پارہ کردند و شیخ علی متقی گفتند کہ ہم شما کمالات شیخ نرسیدہ و می گفتند کہ در ظاہر شریعت چنان باید بود کہ شیخ علی متقی است در تحقیقت آنچنانکہ مرشد ما است“ ۱

(اور جب شیخ محمد غوث گجرات تشریف لے گئے تو شیخ علی متقی جو کہ ظاہر و باطنی علوم کے عالم تھے، بعض علماء ظاہر کے ساتھ شیخ محمد غوث کی ظاہری باتوں کی وجہ سے ان کے قتل کے جواز کا فتویٰ تیار کیا۔ مگر وہاں کے حاکم نے شیخ وجہ الدین کے شور کے بغیر اس کے نفاذ سے انکار کر دیا۔ بالآخر جب شاہ شیخ محمد غوث کے گھر تشریف لے گئے تو اول مرحلہ ہی میں شیخ پر فریفتہ ہو گئے اور فتویٰ پھاڑ کر پھینک دیا اور شیخ علی متقی سے فرمایا کہ! تمہاری عقل شیخ کے کمالات تک نہیں پہنچتی ہے۔ اور آپ فرماتے تھے کہ ظاہر شریعت میں ایسا ہونا چاہئے جیسے شیخ علی متقی ہیں اور حقیقت میں ایسا ہونا چاہئے جیسے کہ ہمارے مرشد ہیں)

اس پیر و مرشد کے تعلق سے مولف سنیۃ الاولیاء رقمطراز ہیں ۔

”اگرچہ ارادت بجائے دیگر داشتند اما ارشاد از شیخ محمد غوث اعظم  
یافتہ اند و در آداب طریقت تابع الیسان بودند، و کار را از شیخ  
محمد غوث با تمام رسانیدہ اند“ ۱۔ شیخ عبدالحق فرماتے ہیں۔

”علوم و سلوک میں آپ کو شیخ محمد غوث سے عقیدت اور نسبت حاصل تھی لیکن بیعت  
کسی اور بزرگ سے تھی“ ۲۔

شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شاہ وجیہ الدین علوی سے عوامات کا شرف حاصل  
کیا ہے وہ تحریر کرتے ہیں ۔

”میں جب دیار حبیب کی زیارت کے لئے حجاز جا رہا تھا تو راستہ میں گجرات  
پڑنا تھا، چنانچہ میں نے وہاں شیخ وجیہ الدین کی زیارت کا شرف حاصل کیا“ ۳۔  
حضرت شیخ محمد غوث گوالیار کی شطاری سلسلہ کو بیعت فرمایا۔ ان کے  
مزید حضرت شاہ وجیہ ادران کے شاگرد شیخ صبیحۃ اللہ کھڑو جی نے شطاری سلسلہ دور  
دور تک پھیلایا ۔

### مدرسہ کی بنیاد :

عہد قدیم میں دستور تھا کہ صاحب علم و فضل جہاں بیٹھ جاتا کچھ ہی دنوں بعد وہی مقام  
اپنے وقت کا بہترین مدرسہ، جامعہ اور کالج ہو جاتا تھا ۔ اور آہستہ آہستہ اراد و سلاطین

۱۔ سنیۃ الاولیاء، ۱۰/م ۱۹ - ۲۵ انوار موصیاء، ۸/م ۷۸

۲۔ انوار موصیاء، ۹/م ۷۹ -

”مدرسہ کا قیام ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس مدرسہ سے بہت سے ایسے لوگ پڑھ کر اعلیٰ جنھوں نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دور دراز کے ممالک میں بھی جا کر رشد و ہدایت اور تلقین کی۔ آپ نے اس مدرسہ میں ۸۲ سال کی عمر تک درس دیا، جب آپ کی عمر ۸۲ سال کی ہوئی تو بڑھانا چھوڑ دیا۔ اور مدرسہ کے نگراں اور مربی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کیا۔ ایک رات سرور عالم حضرت محمد علی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے خواب میں شرفا ہوئے، سرور عالم نے آپ کو حکم دیا کہ ”مدرسہ میں درس دینا نہ چھوڑو۔“ سرور عالم کا یہ حکم پا کر پھر آپ نے پڑھانا شروع کر دیا۔ اور آخری دم تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ اس خواب کے بعد آپ نے مدرسہ کا نام بدل دیا اور کرائے مدرسہ عالیہ علویہ کے اس کا نام مدرسہ درس محمدی رکھا“ لے

الوظیفہ زندگی ماہنامہ معارف میں رجم طراز ہیں ۔

”ابتداء میں غالباً وہ تنہا مدرس تھے ، لیکن رفتہ رفتہ اساتذہ کی تعداد بڑھتی رہی اور طلبہ کے انتہائی ترقی پر نام دیکھتے ہیں کہ ایسے علاوہ بھی اپنا وقت تدریس میں صرف کرتے ہیں جو ابھی فارغ نہیں ہوئے ہیں ، مدرسہ ذیل علوم و فنون کی تعلیم یہاں ہوتی تھی ۔ ابتدائی تعلیم کے علاوہ تفسیر مع اصول ، فقہ مع اصول ، معانی ، بلاغت ، منطق و فلسفہ ہیئت مناظرہ ، ادب و غیرہ علوم ظاہری کی تکمیل کر لینے کے بعد جن علاوہ کو تصوف کی طرف رجحان ہوتا ۔ تو اس کی تعلیم دیتے ۔ ان کے علاوہ ایسے اشخاص جو باہر سے آکر اس چشمہ فیض سے سیراب ہوئے ان لوگوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے ۔ فتویٰ نویسی کا بھی باقاعدہ انتظام تھا ۔ اور خاص اس کا پیرزادہ دارالاشخاص کا تقرر فرماتے تھے ۔ عام فتوؤں کو جھوڑ کر حب لوئی اہم معاملہ پیش ہوتا تو خود اس پر غور فرماتے اور تحقیقی جواب تحریر فرما کر اپنے دستخط سے اس کو مزین کرتے ۔“

یہ مدرسہ درحقیقت اس زمانے کی یونیورسٹی تھی جس میں منطق فلسفہ ، تصوف اور علوم دینیہ کا خاص اہتمام تھا ۔ ارباب حکومت و اقتدار بھی کسی مہم میں بغیر آپ کے دستخط کے احکام نافذ نہیں کرتے تھے ۔ جیسا کہ شیخ محمد غوث کے قتل کے فتویٰ کے متعلق حکومت کا عمل آپ کی رائے اور فیصلہ پر موقوف تھا ۔

”تھیں گئے ہند میں طلبہ کے وظائف مقرر تھے، اس سلسلہ میں کئی گاؤں وقف تھے ۹۵۰ھ سے ۹۹۸ھ تک شاہ صاحب اس کو خود چلاتے تھے۔ پھر ان کے لڑکے اور پوتے چلاتے رہے۔“ ۱

”مدرسہ میں بارہ سو طالب علم تھے۔ اسی ہزار طالب علم عالم و فاضل بن کر نکلے جب ۱۱۰۹ھ میں مدرسہ ہدایت بخش احمد آباد میں قائم ہوا تو آپ کے مدرسے پر اس کا اثر پڑا۔ اور بجائے ترقی کے تیزی کی طرف جانے لگا اور طلبہ بھی کم ہو گئے۔“ ۲

### تلامذہ :-

شیخ علوی گجراتی دین دار و کرم کر تھے۔ تقویٰ و طہارت، عبادت و ریاضت کے ساتھ دانش و بینش اور تفکروں کی تجلیات بیک وقت ان کی ذات گرامی سے ظاہر ہوتی تھیں، ہجرت ہوتی ہے کہ ۲۰ برس کی عمر سے ہی انھوں نے درس و تدریس کا کام شروع کر دیا اور ۶۷ سال کی عمر تک احمد آباد میں معقول و منقول کے پڑھانے میں اپنی عمر عزیز گزار دی۔ ۳

آپ کے شاگردوں کی تعداد بہت وسیع ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں طلباء آپ کے مدرسے سے فارغ ہو کر نکلے۔ اسی کی تعداد صرف ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اطراف ملک میں مدرسے قائم کئے اور خود درس دینا شروع کیا۔ یہ ان کی خوش نصیبی ہے کہ اپنی حیات ہی میں اپنے شاگردوں کو سند درس و تدریس پر رونق افروز دیکھا گویا زندگی کا اصل مقصد شاہ کے سامنے بھرا ہوا نظر آیا۔

۱۔ گجرات کی تمدنی تاریخ - ۲۰۰ /

۲۔ تاریخ صوبائے گجرات / ۲۲۱ - ۳ - یادایام / ۵۷

شہنشاہِ اکران کے علم و فضل سے بہت متاثر تھا۔ اس نے انھیں "اویاروٹ"

کا خطاب دیا تھا۔ ان کے تلامذہ، مریدین اور معتقدین کے چند نام یہ ہیں۔

حضرت محمد غوث گواہیاری کے چاروں صاحبزادے یعنی شاہ عبداللہ،

شاہ جناب اللہ، شاہ اولیں اور شاہ اسماعیل، شیخ محمد فضل اللہ

علامہ ضیۃ اللہ، مولانا اسحاق بھڑوچی، سید طلال الدین، ابو محمد غلام

مولانا عبدالغنی جون پوری، مقصود علی، ایرمہادق خاں، حسن زرکی، سلا

عبدالرحمان، شاہ محمد، شاہ عبدالغنی، شاہ عبدالواحد، شاہ غالب

شاہ حبیب اللہ، شاہ عبدالشکور، اور شاہ غضنفر ویرہ، بہرام خان

اور شیخ مبارک ناگوری آپ کے معتقد تھے۔ شیخ مبارک نے اپنے لڑکوں،

ابوالفضل اور فیضی کی فلاح و بہبود کے لئے دعا کرائی تھی۔ "اے

### اخلاق و عادات :-

آپ کا شمار اپنے وقت کے جید علماء اور شائخ میں ہوتا تھا۔ ظاہری و باطنی علوم

میں اپنا مثال آپ تھے، لوگ اپنی امانتیں آپ کے پاس رکھتے تھے۔ آپ کی علمیت و قابلیت

کا شہرہ دور در دور تک پھیلا تھا۔ لوگ آپ کو استاذ الاساتذہ کے لقب سے

لبکارتے تھے۔ شان و شوکت سے نفرت کرتے تھے۔ کھادی کے کپڑے پہنتے تھے۔

آپ کے اس عمل کی وجہ سے احمد آباد اور آس پاس کے شہروں و قصبوں میں کھادی

پہننے کا رواج ہو گیا۔ معمول کھانا کھاتے اور سادہ کپڑے استعمال کرتے تھے۔

آپ کے متعلق یہ کہا گیا ہے !

”دلالتِ گجرات کے متاخرین شاخِ نسیس سے ہیں۔ کامل، دانشمند  
 جامع کمالات و برکات ہیں۔ معتمد و مخلص تھے، نذرِ لیسِ علوم، تصنیف  
 کتب اور طالبوں کی تربیت و ارشاد میں مشغول رہتے تھے۔“ ۱  
 ان کی روزمرہ زندگی کے متعلق یہ کہنا صحیح ہے کہ ان کی زندگی نہایت سادہ تھی۔  
 موٹا کپڑا پہنتے اور عام لوگوں کی طرح رہتے تھے، جو کچھ آتا وہ دوسروں پر خرچ کر دیتے  
 ایروں کے گھر پر بطور خود کچی نہ جاتے۔ ایک بار دروغہ حکام وقت کی طلب پر مجبوری  
 واکراہ جانا پڑا دروغہ گھر اور مسجد کے احاطے سے باہر قدم نہ لگاتے۔ ۲  
 آپ کے آباد و اجداد گجرات کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے تھے۔ کوئی ٹافھی  
 ہوا تو کوئی لشکر شاہی کا ہمدیدار تھا۔ اور کسی کو مذہبی امور سپرد کئے لگتے۔ مگر آپ  
 شاہی دربار میں نہ جاتے تھے۔ اور نہ ہی بادشاہوں کی پیروی کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود  
 سلاطین آپ سے عقیدت رکھتے تھے۔ سلطان محمود ثالث متعدد مرتبہ حاضر خدمت ہو کر  
 شرفِ قدوسی حاصل کر چکا تھا۔ اس کے حسنِ عقیدت کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ  
 جناب شاہ نے چند مظلوموں کی زیادتی کی بابت ایک خط سلطان محمود ثالث کو لکھا  
 اس نے تعمیلِ ارشاد کے بعد اس خط کو محفوظ رکھا۔ اور حاضرین سے کہا کہ بوقتِ تدفین  
 میرے سینے پر رکھا جائے یہاں پہی بچات کا باعث ہو۔ سلطان مظفر سوم ۳



گجرات کا آخری تاجدار تھا۔ متعدد بار حضرت شاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔ اکبر بادشاہ جب گجرات آیا تو یاد جو داس کے کچھ سہوکاروں نے آپ کی طرف سے بادشاہ کو بدظن کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ پھر بھی آپ سے ملاقات کے وقت بحد احترام کیا اور خصوصاً چند مذہبی سوالات کرنے پر خوش جوابات دے گئے اس سے بہت خوش ہوا۔ ارادہ دولت بھی ہمیشہ آپ کے عقیدت مند رہے۔ المغالہ جو سلطان مظفر سوم کے امراء میں سے تھا وہ آپ کا معتقد تھا۔ چنگیز خاں کی ماں شیر خاں بن التما و خاں گجراتی، خان اعظم، اور خانخاناں، مرزا عبدالرحیم بھی ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ ۱۰

### اولاد :

آپ کے درجہ بیاہت تھیں۔ ایک بیوی کا نام امۃ العزیز تھا۔ دونوں بیویوں سے جو بچے پیدا ہوئے ان کا نام مندرجہ ذیل ہے۔

شاہ محمد، شاہ عبداللہ، شاہ عبدالواحد، شاہ حامد، شاہ غالب  
شاہ حبیب اللہ، شاہ عبدالشکور، شاہ غضنفر، لڑکیاں بھی تھیں  
ایک لڑکی کا نام امۃ الحسبہ تھا جن کا انتقال مکہ میں ہوا ۹۰ھ

### وفات :-

آپ ۹۹۷ھ میں واصل بحق ہوئے۔ ۱۰ اپنی خانقاہ کے صحن میں احقر آماد

۱۰۔ معارف - ج ۳۱ / ش - ۲ / ۱۹۳۳ صفحہ ۲۲۲-۲۲۳

۱۱۔ تاریخ مونیاء گجرات / ۲۲۷ - ۱۰ انوار صوفیہ قسط ۲ / ۷۹

میں مدفون ہوئے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ کی وفات صفر ۹۹۸ھ میں اور آپ کی قبر احمد آباد کے وسط میں ہے۔ ۱۷

امیر صادق خان جو شہنشاہ اکبر کا بیٹا تھا۔ اور شاہ کا معتقد تھا۔ آپ کے ہزار پر ایک عالی شان مقبرہ ۱۰۰۵ھ میں تعمیر کرایا۔ نواب مر قضا خان نے ہزار کا جھیر کھٹ تیار کرایا جس پر سب کا اعلیٰ درجہ کا کام کرایا تھا۔ تاریخ وفات آپ کی " لہم جنات الفردوس نزلا " سے لکھی ہے۔ ۱۷

### تصانیف :-

شاہ نے تصنیف صدی سے زائد تک درس و تدریس کی مشعل روشن رکھی اور ان کے دریائے علم سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے اپنی علمی تشنگی کا سامان بہم کیا درس و تدریس کے پسلوب پہلو اھول نے مختلف دینی ادبی اور انصافی کتابیں اپنے قلم سے لکھی تھیں۔ چھوٹی یا بڑی شاید ہی کوئی درسی کتاب ہوگی جس پر اھول نے شرح یا حاشیہ نہ لکھا ہو۔ ملا عبد القادر بدایونی، تکریر کرتے ہیں

" قدرت اور در جمیع علوم عقلی و نقلی بر تہ بود کہ کم کتاب درس از حرف ہوئی تا حالون شفا و شرح مفتاح و عضدی یا شد کہ او شرح یا حاشیہ بر آن نہ نوشتہ "۔ ۱۷

آپ کے مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی تھا جس میں مختلف علوم و فنون سے متعلق

۱۷ سفینۃ الاولیاء، ۱۹۲/۰ - خزینۃ الاصفیاء، ۳۳۷/۲

۱۸ حدائق المحنفیۃ، ۳۸۹/۳ - منتخب التواریخ، ۲۳/۳

۱۔ معارف ج ۳ / ش - ۳ / ۶۱۹۲۳ / صفحہ ۲۱۳  
۲۔ ایضاً " " تاریخ صوفیائے گجرات ۲۳۱

تاہم جن کتابوں کا ذکر تہذیب نویسوں نے کیا ہے وہ یہ ہیں !

- ۱۔ شرح تجلید النکر
- ۲۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی
- ۳۔ حاشیہ طبری
- ۴۔ حاشیہ تلویح
- ۵۔ حاشیہ یزدی
- ۶۔ حاشیہ شرح دقایق
- ۷۔ حاشیہ مختصر
- ۸۔ حاشیہ بحر
- ۹۔ حاشیہ اصفہانی
- ۱۰۔ حاشیہ قدیم تحقیق دوائی
- ۱۱۔ حاشیہ حکمت العین
- ۱۲۔ حاشیہ شرح تعلیمات جامی
- ۱۳۔ حاشیہ شرح قطب
- ۱۴۔ حاشیہ ارشاد فی النحو
- ۱۵۔ رسالہ جنت عدن
- ۱۶۔ شرح جام جہاں نما
- ۱۷۔ رسالہ الشکر
- ۱۸۔ شرح رسالہ قریشیہ
- ۱۹۔ شرح الکافیہ
- ۲۰۔ رسالہ ترتیب ارکان صلوٰۃ
- ۲۱۔ شرح شواہد المہمل
- ۲۲۔ الرسالۃ المسماۃ بالانسکزیۃ - (بیچٹ و اناقت) ۱۰

ان کتابوں میں فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، منطق، فلسفہ، کلام  
تصوف اور ریاضی و ہیئت جیسے فنون کی تصانیف شامل ہیں۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو اپنے  
وقت میں لٹریچر تسلیم کی ضرورتیں پوری کرتی تھیں۔ ان میں بعض کھیاں تو بعض نایاب  
ہیں۔ اور ان کا ذکر صرف تذکرہ و تاریخ کی کتابوں کے اور ان کی زینت ہے۔ ان  
کی بعض علمی تالیفات کا تعارف حسب ذیل ہے۔

### ① حاشیہ تفسیر بیضاوی :

شاہ صاحبانے تفسیر بیضاوی پر مکمل حاشیہ لکھا ہے۔ اس کا مقصد بیضاوی  
کی مشکل اور پیچیدہ عبارت کو حل کرنا اور مسائل کو زیادہ آسان انداز میں بیان کرنا  
ہے۔ یہ حاشیہ بے حد مقبول ہوا۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں عرب و شام  
میں عام طور پر زیر درس تھا۔

شیخ نے حاشیہ کا یہ انداز اختیار کیا ہے کہ بیضاوی کی عبارت کو قولہ  
لکھا ہے پھر اس کی تشریح کی ہے۔ بعض جگہوں پر بیضاوی اور ان کی عبارت  
میں فرق کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ یہ سچ میں کوئی ایسی علامت احتمال نہیں  
کی گئی جس سے دونوں کو الگ کیا جاسکے۔ البتہ انھوں نے اس بات کی پوری  
کوشش کی ہے کہ عبارت کہیں بھی الجھنے نہ پائے۔ اے

### ② حاشیہ علی التلویع :

توضیح تلویع اصول فقہ کی مشہور کتاب ہے۔ بہت سے علماء نے اس

اے سندھستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ۱۷۸

کے شروع و حواشی لکھے۔ شاہ نے بھی اس کا ایک حاشیہ لکھا ہے۔ یہ کتاب ابتداء نامی  
انتہا، خط نسخ میں ہے۔ ۱۲۱۱ ق طبع ہے۔ ابتدائی چار صفحے خوشخط اور باریک  
حروفوں میں ہیں۔ باقی معلولی، تصنیف ہے تقریباً سو سو برس بعد ۱۱۱۲ھ میں اس کی  
کتابت ہوئی اس کی ابتداء ان جملوں سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، رب یسر و تمم بالخیر الحمد للہ  
رب العالمین، والصلوة علی خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین  
اور اختتامی عبارت یہ ہے۔

"هذا آخر الكتاب بعون الملک الوهاب والحمد لله علی

انعامہ اندہ وحی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقيق،"

جہاں جہاں اصل کتاب کا حوالہ ہے وہاں سرخی سے "قولہ" لکھ دیا ہے۔ مختلف  
مقامات کے مطالعہ سے یہاں معلوم ہوتا ہے کہ ہر جگہ تشریح کرتے وقت طلبہ کے ذہن نشین کرانے  
کی بے حد کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً حقیقت و حجاز کی بحث میں ایک جگہ صاحب تلویح نے لکھا  
ہے "نفیہ نظر" اس نظر کے پیچیدہ مطالب کو جناب شاہ نے حاصل النظر کے عنوان سے  
لہت سہل عبارت میں تحریر فرما دیا ہے تاکہ طالب علم کے دماغ پر زیادہ بار نہ پڑے  
پھر اس نظر کا جو جواب دیا جاتا ہے اس کو تحریر فرما کر "حاصل الجواب" کے عنوان سے اس  
کی تشریح فرماتے ہیں۔ سید شریف جرجانی کا اس پر اعتراض نقل کر کے پھر خود اپنا  
جواب تحریر فرماتے ہیں۔ اس مثال سے آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ شاہ صاحب اپنے مقصد  
اداس کس طرح کا خیاب ہوئے ہیں۔ زیر تنقید نسخہ مصنف کے خود نوشتہ نسخہ سے

منقول ہے اور حاشیہ پر ہر جگہ تصحیح کی گئی ہے۔ لہ

③ حاشیہ موافق :

اس مشہور کتاب کے مصنف ماضی عبدالرحمان ہیں۔ جس کی شرح علامہ سید شریف جرجانی ( ۸۱۶ھ ) نے کی ہے۔ پھر متعدد علماء نے اس کے نواشی لکھے۔ زیر تنقید نسخہ آخر سے ناقص ہے۔ اور کتاب کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا۔  $\frac{1}{8}$  انچ تقطیع پر معمولی خط نسخہ میں ہے۔ ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم و بہ نستعین رب وقت نعمم الحمد للہ  
رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ محمد صالح واصحابہ  
اجمعین ، سبحان بحمادہ عن سمۃ الحدوث :-  
اور آخری فقرہ یہ ہے ۔

وذا لا محی لا عبادہ لینی ان الاحوال یتکلف :-

یہ ناقص جملہ نصف صفحہ پر ختم ہو گیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ کتاب اصل کتاب سے منقول ہے یا بقیہ اجزاء ضائع ہو گئے۔ مطبوعہ کتاب کے مقابلے سے معلوم ہوا کہ ”المصدر الرابع فی اثبات العلوم الضروریۃ“ تک ہے۔  
زیر بحث کتاب مسلم کلام کی معرکہ الآراء کتابوں میں سے ہے۔ اور اسی لئے اس کی متعدد شرح و تراشی لکھے گئے۔ <sup>مجاہد</sup> شاملین یہاں دہما ”حاصل الکلام“ اور ”حاصل الخراب“ وغیرہ کے عنوان سے مطالب کی تشریح کی ہے۔ اور ہر پیچیدہ

عبارت کو آسان طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ لیکن جہاں کہیں ذات واجب الوجود کے متعلق کوئی تذکرہ آ جاتا ہے پھر الفاظ پر زرد اور بلند خیال معانی ہوتے ہیں۔ مثلاً کتاب کے ابتداء میں ہے۔

”سبحانی جماله عن سمعة الحدوث وتنزهت سراوانا جماله عن  
صحة التغير والافعال“

اس کتاب میں نہ کاتب کا نام ہے اور نہ ہی مسند ہی تحریر ہے مگر جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ یہ تحریر و کتاب کب لکھی گئی ہے۔

#### (۴) رسالۃ اشکریۃ :

اس رسالہ کا پورا نام الرسالۃ الاشکریۃ فی احویۃ الطغفریۃ مولانا علی قوسیٰ مسلی بحث ما انا قلت فی المطول ” ہے۔ یہ ۱۱۵ اوراق پر ۱۲۱ قطع پر ہے۔ معانی و بیان پر تلخیص المفتاح، حلال الدین محمد بن عبدالرحمن قزوینی متوفی ۷۲۹ھ کی ایک مشہور کتاب ہے۔ مولانا علی قوسیٰ نے ”بحث ما انا قلت“ پر چھ اندراجات کئے تھے۔ یہ رسالہ ان کے جواب میں ہے۔ میر باشم جو خود بھی بڑے عالم تھے انہوں نے بھی اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس کتاب میں جا بجا ان کے حاشیے بھی ہیں۔ کاتب کا نام محمد یوسف ہے۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم قال صاحب الايضاح و یقدم المسند

معارف، ج ۱۱ / ۳ / صفحہ ۲۱۹۔



لیقین التقدیم تخصیصہ، یا الخیر الفعلی

اور اختتام ان جملوں پر ہے -

حُضُنَا مَا تَسِرُ لِي هُوَ الْمَسْرُوكُ عَسِيرٌ وَمَا تَوَفَّقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ

تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ۝

یہ رسالہ تو بیٹھا پر منقسم ہے۔ جن میں بعض بہت ہی مختصر اور بعض بہت طویل ہیں۔ طرزِ تحریر یہ ہے کہ پہلے نفسِ تلخیص کے اصل مسئلہ کو لکھا ہے۔ پھر سید شریف جرجانی کا اعتراض لفظی کر کے مدعاہ قوشچی کا نظریہ بیان کیا ہے۔ اور آخر میں اپنا جواب تحریر فرمایا ہے۔ جہاں مولانا قوشچی کا اعتراض شروع ہوا ہے وہاں سرخے قولہ، اور جس جگہ سے جواب دیا ہے اس کی ابتداً اقول سے ہوتی ہے۔ اس بحث پر تین اور رسالے اسی کے ساتھ مجلد ہیں۔ رسالہ مولانا علی قوشچی، رسالہ ملا عبدالغفور رسالہ میر ہاشم، - ان میں سے کئی بھی سندہ تحریر نہیں ہے۔ اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ شاہ نے اس رسالہ کا نام "رسالہ التکریر" کس شائبہ سے رکھا ہے؟ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ شاہ کا ایک رسالہ "تکریر" ہے جو غالباً "الکار" سے ہے جس میں ایک کفر کے فتوے کی تردید ہے۔ کاتب نے اسی لفظ کو "التکریر" سے تبدیل کر دیا۔ "۱۔

⑤ حاشیہ علی المختصر المعانی

یہ کتاب بھی ۱۱/۲ تقطیع پر ہے۔ اس کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے -

۱۔ معارف / ج ۳۱ / ش ۳ / صفحہ ۲۱۹

بسم الله الرحمن الرحيم قوله اداء الحق شئ مما يحب عليه  
اور اختتام ہوا ہے ۔

قوله كان قنا ابن ابيحيا ، القاجح قناة وهي الرمح ، والفيلق  
الحجيش قد وقع من تحشية سلطان المحققين افضل المدققين  
استوف المتورعين ملجأ السالكين - الشيم وجيه الحق والدين -  
کاتب کا نام نہیں ہے - تاریخ بھی نہیں ہے - فقط اس قدر لکھا ہے ۔

"فی شهر رمضان سنة من الهجرة النبوية"

حاشیہ پر جایا اس کی تصحیح بھی کی گئی ہے ۔ یہاں اصل کتاب سے نقل کیا ہے  
القولہ کے لفظ سے ممتاز کر دیا ہے ۔ یہ کتاب بھی طلبہ کی مشکلات کو آسان کرنے  
کے لئے لکھی ہے ۔ لے

④ حاشیہ علی العضدی :

یہ کتاب ۱۳۸۱ تقطیع پر خط نسخ میں ہے ۔ صفحات ۱۳۱ ہیں ۔ اس کی ابتدا  
"بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين الحمد لله رب العالمين والصلوة  
على رسولنا سيدنا الخلق والانباء والمرسلين ، قوله وبعثنا  
الاعتبارين درج في الادلة السمعية " سے ہوئی ہے ۔  
اور اختتام ان فقرات پر ہے ۔

يزوج الظن لا الصدق بان هذا احدہ لان نفس المحدث لم تفت

لہ معارف - / - خ ۳۱ / ش ۳ / صفحہ ۲۱۹ -

یہ کتاب رجب ۱۰۱۰ھ کی لکھی ہوئی ہے۔ یعنی شاہ<sup>جلال</sup> کی وفات کے ۱۲ سال بعد لکھی گئی ہے۔ کتاب کا نام کبیر محمد بن شاہ محمد ہے۔ لیکن کتاب کے اندر خط دو قسم کے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب سے کچھ ضائع ہونے کے بعد دوبارہ تحریر کرایا گیا ہے۔ ابتداء میں چند دوسری جگہوں میں خوش خط ہے۔ اور آخری صفحات معمولی ہے۔ اور یہی معمولی کبیر محمد کی تحریر ہے۔ سطریں عموماً ۲۰ اور ۲۲ ہیں۔ کاغذ باریک، چمکا، اغلباً احمد آبادی ہے۔

عضد بن منظرہ میں ایک مختصر رسالہ ہے۔ اس کے مصنف عضد الدین احمد الایچی متوفی ۷۵۶ھ ہیں۔ یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ متعدد علماء نے اس کے شرحیں، پھر شرح الشرح لکھیں، بعد کے علماء نے ان پر حواشی کا اضافہ کیا۔ متعدد شرح و حواشی اس کتاب خانہ میں موجود ہیں۔ "حنفیہ، شرح عضد بن منظرہ، مولانا عصام الدین، حاشیہ علی الحنفیہ مولفہ، میر الوافح، بلخیہ، حاشیہ علی حنفیہ مولفہ، مولانا باقر بلخی، فریدیہ حاشیہ عضد بن منظرہ، مولانا فرید الدین بھٹیہ عضد بن منظرہ، جنابہ شاہ حبیب الدین صاحب دغیرہ" لے

#### ④ رشاد و شرح ارشاد:

علم نجومیہ یہ کتاب قاضی شہاب الدین بن شمس الدین بن عمر زلوی، دولت آبادی، متوفی ۸۸۹ھ کی تالیف ہے۔ جناب شاہ<sup>جلال</sup> نے اس کی شرح لکھی اور اس کا نام "رشاد رکھا اور مشہور ہے کہ شاہ کی یہ پہلی تصنیف ہے۔ شاہ<sup>جلال</sup>

۷۲  
 کی شرح یعنی "رشاد" پر ملک احمد بن ملک پیر محمد مہاجر کا حاشیہ متوسط تقطیع پر ۱۹۰  
 صفحہ ۷۷ - ۷۸

### ① شرح نخبۃ الفکر فی مصطلح اہل الاثر :

یہ حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف ہے۔ شیخ وجیہ الایمان نے اس کی شرح  
 کی ہے۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اس کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ نمبر ۱۱۲/۳ - اس کا  
 مقدمہ لکھے ہوئے شیخ رحمطراز ہیں۔

"قول ان اقوالہ واقعالہ موضوع هذا الفن من حيث انها  
 متصلة دستندة اليد والى غير ذلك من الامور التي تحت  
 عنها فيه، وانما قيدتها بهذه الحثية لانها اخلت تحت موضوع  
 الاصول من حيث انها تستفاد من الاحكام اجمالاً ويندرج  
 ايضاً تحت موضوعات علوم اخر بحسب اعتبارات مختلفة :  
 فظهر من هذا انما قول من قال ان موضوعه ذات الرسول ۴  
 من حيث انه رسول الله وحده فان المباحث الواقعة في هذا الفن  
 راجعت الى اقواله واقعاله لا الى ذاته، صلى الله عليه وسلم" ۵

### ⑨ الرسالة العلوية :

چار صفحات کا مختصر سایہ رسالہ فن تفسیر سے متعلق ہے۔ شیخ نے اس میں

۷۷ معارف / ج ۳۱۰ / ش ۳ / صفحہ ۲۲۰

۷۸ عربی زبان و ادب، عہد مغلیہ میں - صفحہ ۱۲۲

کشاف کی "فہن ثقلت حواذینہ" کی تفسیر کی توضیح کی ہے۔ اس کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے - "بسم اللہ الرحمن الرحیم وبہ نستعین الحمد للہ علی احسانہ والصلوۃ علی محمد افضل خلقہ"۔

یہ نسخہ راپور کے کتب خانے مخطوطہ نمبر ۳۲۸ کے تحت درج ہے۔ مسندہ کتابت ۱۰۷۳ھ اور کتابت ملک احمد ہیں۔ ۵

#### (۱۵) شرح چاچہاں نسّا

شاہ کی اب تک کی مذکورہ تصانیف عربی زبان میں تھیں۔ یہ تصنیف فارسی زبان میں ہے۔ جام جہاں نام تصوف میں مشہور متن ہے۔ اس کے مصنف محمد بن علی الدین بن عادل بن یوسف مغربی مشہور یہ سیرین ہیں۔ ۱۰۸۵ھ کی تصنیف ہے عام صوفیوں میں یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی کہ اس کی مختلف شرحیں لکھی گئیں جناب شاہ نے بھی اس کی ایک شرح لکھی۔ اس کے دو نسخے اس کتاب خانہ میں موجود ہیں۔ پہلا نسخہ کتابی صورت میں  $\frac{12}{8}$  تقطیع پر ہے۔ سرخ جدول سے محدود ہے۔ متن کی عبارت پر سرخ خط کشیدہ ہے۔ دوسرا نسخہ  $\frac{15}{8}$  تقطیع پر ہے۔

کتاب کے دو حصے ہیں۔ ہر حصہ کا نام دائرہ ہے۔ اور ہر دائرہ میں دو قوس اور ایک خط میں ہے۔ دائرہ اول میں۔ احادیث، واحدیت، وحدت، اعتبار، علم وجود، شہود، نور، یقین یا یحییٰ <sup>اولیٰ</sup> مضامین ہیں۔ دائرہ دوم کے مضامین مندرجہ ذیل ہیں۔

ظاہر وجود (باصطلاح فلاسفہ واجب الوجود) ظاہر علم (باصطلاح فلسفی محکم الوجود) برزخیت (باصطلاح مذکور انسانی یا روح) تعین یا تجلی ثانی،  
 الاطراف صاحب نے اس کتاب کے مضامین کا قدرے تفصیلی تعارف کرایا ہے۔  
چند دیگر رسائل بھی قابل ذکر ہیں۔

⑪ شرح البسيط للعلوی :- یہ فرائض میں ہے اس کی ابتدا دیوں ہوتی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والصلاة على الانبياء  
 من بعده محمد وآله وصحبه اجمعين - الحمد لله افتتح الكتاب -  
 آخر کے الفاظ یہ ہیں ۔

قد وقع الفراغ من تحرير شرح البسيط لمولانا سلطان  
 العارفين برهان الموحد بن حجة العاشقين شاه وجيه الحق  
 والدين قدس سره العزيز

کہیں کہیں حاشیہ عبد الرحیم کا بھی ہے۔ تقطیع ۱۳/۱ - ۲۵

⑫ حاشیة العلوی علی شرح تخبۃ الفکر

یہ کتاب اصول حدیث میں ہے۔ نسخہ کامل ہے۔ خط نستعلیق ہے۔  
 اس کی ابتدا دیوں ہوتی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم - الحمد لله حمدًا أولًا في تحفة وليكافي

مزیداً اللہم صل علی محمد کلما ذکرۃ الذاکرون وغفل عن  
 ذکرہ الغافلون ، قال الشیخ الامام والمحدث الذی وقفنا  
 وحدانا لہذا وما لنا نترقی ونفہی لولاد ان لوفقنا ۔

اس کا ایک نسخہ از آخر کتب خانہ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ احمد ابار میں موجود ہے<sup>۱</sup>

(۱۳) حاشیہ علی شرح الجامی للعلوی ۔

ابتداء میں ایک صفحہ کا مقدمہ ہے ۔ اور پھر اصل کتاب اس طرح شروع ہوتی ہے ۔  
 قولہ الحمد للہ لولییہ والصلوۃ علی نبیہ ، اختلاف عباراتہم فی  
 تعرف الحمد ”

کل ۸۲ صفحے ہیں ۔ تقطیع متوسط ہے ۔ آخر کتاب یہ ہے ۔

قد تم حذوہ الحاشیہ الشریفۃ لمولانا ۔ وجیہ الدین علی شرح  
 مولانا عبد الرحمان جاتی للکافیۃ فی التارخ السابع والعشرون  
 (الحشرین) من شعبان المعظم فی سنة ۱۰۸۱ ھم الواحد  
 والثمانین والف ، علی ید احقر عبد اللہ محمد غنایت اللہ  
 بن عبد العزیز ولد عبد اللطیف ” ۷۵

(۱۴) رسالة ترقیب ارکان الصلوۃ العلوی ۔

بخداوراق طری زبان میں ہیں ۔ کتاب کا منشا اس کے نام سے ظاہر ہے

ردلوں کتابیں بھی کئی مشہور کو کئی فاضل جناب یوسف کھٹکھے صاحب ابی اے، کے ذاتی کتب خانہ میں ہیں۔ اور آخر الذکر کا دوسرا نسخہ بھڑوچ میں جناب قاضی نور الدین کے کتب خانہ میں بھی ہے۔ مگر آخر سے ناقص ہے۔ ۱۵

#### (۱۵) رافیہ شرح کافیہ:

ناقص الا ابتدا، درسط، قاضی صاحب مذکور کے کتب خانہ میں ہے۔ تقطیع متوسط، اور کرم خوردہ ہے۔ اس کے آخر میں لکھا ہے۔

کاتبہ، واللہ حامداً بن ساء وجیہ الدین علوی، ۱۶

#### (۱۶) رسالة قوشیخی فی الہیئۃ

فارسی زبان میں ہے۔ اس کتاب پر حضرت شاہ کا حاشیہ اور ہیئت کے مختلف نقشے بھی ہیں۔ بالکل یوسیدہ اور کرم خوردہ ہے۔ ۱۷

#### (۱۷) حواشی علی المنہل للطوی

اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے ۱۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ قولہ تردد یاو مصدر یا

آخری فقرہ یہ ہے ۱۹

ولیس ہذا یقید الجمع وانہا ہو بیان لا اطلاق ۲۰

۱۵ معارف / ج ۳ / ش ۳ / ص ۲۲۳

۱۶ " " " الرضا

۱۷ " " " الرضا



کُل صفحے ۹ ہیں۔ تقطیع  $\frac{12}{2}$  ہے۔ خط نسخ اور فی صفحہ ۱۷ سطر ہیں۔  
یٹن کے مشہور خاندان جمال الدین قطب و سید قطب کے ذاتی کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۱۸) حاشیہ علی شرح القویۃ للعلوی :-

یہ فقہیم کتاب ہے۔ متوسط تقطیع، خط نستعلیق، خوش خط ہے۔ چھ سو صفحات ہوں گے۔ درگاہ حضرت پیر محمد شاہ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔  
کتاب اول و آخر سے ناقص ہے۔ ۲

(۱۹) شرح شواہد المندمل :- ناقص از اول۔ ۳

## شیخ مبارک ناگوری (۱۰۰۱ - ۹۲۱ھ)

شیخ مبارک عربی النسل تھے۔ ان کا خاندان یمن کا رہنے والا تھا۔ ان کے دادا یمن سے سیستان کے قصبہ ایل میں آکر سکونت پذیر ہو گئے تھے۔ یہیں شادی کر لی جس سے شیخ مبارک کے والد خضر پیدا ہوئے۔ وہ ناگور میں آکر متوطن ہو گئے۔ جہاں شیخ مبارک کی پیدائش ۹۲۱ھ کو ہوئی۔ وہ حصول علم کی خاطر گجرات آئے۔ جہاں ابوالفضل گاروڑی اور مولانا علامہ طارمی کی شاگردی اختیار کی۔ اور وہاں کے مشائخ اور علماء کی صحبتوں سے فیوض حاصل کرتے رہے۔ گجرات سے ۹۵۰ھ میں آکر وہ آئے۔ اور درس و تدریس میں

۱۔ معارف / ج ۳۱، ش ۳ / ص ۲۲۲

T-5205



۲۔ الضأ  
۳۔ الضأ  
" " " " " "

مشغول ہو گئے۔ یہیں سادی آئی۔ دیگر اولاد کے علاوہ سلام الیہ العیض فیضی اور الیہ الفضل ان کے باکمال فرزند تھے۔

سید عبدالقادر بدایونی نے ان کی ابتدائی زندگی کی تصویر بہت اچھی کھینچی ہے۔  
 لکھتے ہیں ”

”اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم تھے۔ صلاح، تقویٰ اور توکل میں ممتاز تھے۔ شرع میں بڑی ریاضت کی۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان کی مجلس میں اگر کوئی سونے کی انگلی یا ریشمی کپڑے، سرخ حوزے یا زرد کپڑے پہن کر آ جاتا۔ تو اسی وقت انار دینے کا حکم دیتے۔ راستے میں بھی گانے بجانے کی آواز کانوں میں پڑ جاتی تو اچھل کر اس کے لکل جاتے۔“  
 ملا عبدالقادر یہ بھی لکھتے ہیں !

لید میں ان کے نزاع میں تلون پیدا ہو گیا۔ اور پھر وہ حیاہ و غضب کی خاطر اپنا مسلک بدل لیتے رہے۔ کچھ عرصے تک شیخ ملائی کے ساتھ رہے۔ پھر اکر کے ہمدان نقشبندی صوفیوں کے ساتھ دالبتہ ہو گئے۔ پھر ہمدانی مشائخ میں عقیدت رکھنے لگے۔ اور حب اکر کے دربار میں ایرانیوں کا غلبہ ہوا تو ان کے ہی رنگ میں بائیں کرتے لگے۔ جس سے ان کے شیدہ ہونے کا شبہہ ہوتے لگا۔ ۹۷۵ ھ میں اکر کے دربار سے دالبتہ ہوئے۔ اور اس کے لئے وہ سب کیا۔ تو

رہ چاہا تھا۔

محضر نامہ کے خالق بھی یہی شیخ مبارک ہیں۔ انھوں نے وہ دستاویز تیار کی تھی جس کی رو سے بادشاہ، امام عادل اور مجتہد وقت قرار دیا گیا۔ ملا مبارک متضاد باتوں کا مجموعہ تھے۔ پہلے انھیں توسیعی و سماع سے نفرت تھی۔ اور پھر آخر میں لقب سماع کے انھیں چین نہ آتا تھا۔<sup>۱</sup>

علمی مقام :-

بلاشبہ وہ یگانہ روزگار عالم تھے۔ تفسیر، فقہ، تصوف، قرآن، معجم گوئی۔ اور شاہی پرستکارانہ دسترس حاصل تھی۔ ملا صاحب اپنی سخت تنقیدوں کے باوجود ان کے کمالات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وہ دینی علوم کی تدریسی میں برابر مشغول رہے۔ تمام علوم میں کمال شاعری اور معجم گوئی پر بھی ان کو عبور تھا۔ وہ فن تصوف کے بھی ماہر تھے شاعری کے حافظ تھے۔ قرآن کو دس قرآن سے پڑھتے تھے۔ حافظہ غضب کا تھا۔ یاد کرنے کے بعد بھولنے کا کوئی سوال ہی نہ تھا۔ کثیر المطالعہ تھے۔ آخر عمر میں ناسینا ہو گئے۔ تو قرآن کی تفسیر چار جلدوں میں بول کر املا کرائی۔ ابن فارض کے قصیدہ ناسیہ، یوسف صیری کے قصیدہ بردہ، اور کعب بن زہیر کے علاوہ دیگر قصائد کو آخری

۱۔ تذکرۂ علماء ہند ۳/۱۰ - ۲۰۲ - حدائق الحنفیہ ۲/۳۹ - بزم تجرید

۲۹/۱ - ۱۲۸ - منتخب التواریخ ۳/۱۵۱ - ۱۵۲ - نزہۃ الخواطر - ۵/۳۱۰ - ۳۲۰

ایام میں پابندی سے پڑھتے تھے۔ ان جیسا باکمال عالم پھر نظر نہ آیا۔<sup>۸۰</sup>

فات ۱۔

ان کا انتقال ۱۰۱ھ مطابق ۱۵۹۲ء میں آگرہ شہر میں ہوا۔ اور  
یہیں مدفون ہوئے۔ علامہ القادر نے فتح تاریخ وفات "شیخ کامل" اور مصفی  
نے "مختر الملک" لکھی۔

تصانیف :-

ماثر الامر کے مصنف نے ان کی تفسیر "منبع عیون المعانی و مطلع شمس المحتانی"  
کے علاوہ جوامع الکلم بھی ان کی تصنیف بتائی ہے۔<sup>۸۱</sup>

① منبع عیون المعانی و مطلع الشمس المحتانی

یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں سید تقی صاحب مرحوم لکھنؤ کے کتب خانہ میں موجود ہے  
شروع کی تین جلدیں ذرا بوسیدہ ہیں۔ بعد کی دونوں جلدیں مضبوط ہیں۔ پہلی جلد میں  
شروع کے چند اوراق غائب ہیں اس کے بعد کی عبارت ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔

لَا تَارِدُ سَتَكْمَلًا لِلْعُلُومِ ، سَيَا اسْتِماعَ الْحَدِيثِ وَاصُولِهِ - مَدْنَعًا

مَسْلَسًا ، مَتْنًا وَاسْتِدَارًا وَضَيْطَ رِجَالِهِ وَرَوَاتِهِ تَحْقِيقًا وَاقْنَانًا

مِنَ السَّنَةِ لِبَعْضِ الْمَشَاهِيرِ الصَّادِرِينَ مِنَ الْحَرَمَيْنِ الشَّرِيفَيْنِ زَادَهَا

اللَّهُ شَرَفًا -

۸۰ منتخب التواریخ - ۳/۴

۸۱ مآثر الامراء - ۲/۵۱۲

اس کے بعد انھوں نے لاہور میں اپنی آمد اور قیام کا تذکرہ کیا ہے۔ اس دور کے کچھ بزرگوں اور اہل علم کے اسناد اور ان کی عظمت کا تذکرہ کیا ہے۔ پھر اپنا ذکر، تعلیم اساتذہ اور مذہب کے متعلق لکھا ہے۔ بعد ازاں آگرہ کے قیام وہاں کے اہل دل سے کسب فیض کا ذکر کیا ہے۔ بالخصوص شیخ علاء الدین محیوب اور محدث کامل شیخ رفیع الدین کا نام لیا ہے۔ اس کے بعد فن تفسیر کی اہمیت اور اس تفسیر کو عربی میں لکھنے کی توجہ بیان کی ہے۔ اپنی اس تفسیر میں انھوں نے جن امور کو پیش نظر رکھا ہے۔ ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

”اس کتاب میں وجود نظم قرآن، قرأت مشرہ، انواع وقوف و فواصل، آیات کا ذکر، نیز علماء اسحنین حکماء اور مہاتب کشف عافین نے جو معانی و مطالب بیان کئے ہیں۔ انھیں ذکر کروں گا۔ جملوں کا ربط اور آیتوں و سورتوں کے درمیان وجہ مناسبتہ انبیاء علیہم السلام کے قصص، اقوام و ملل کے واقعات، اسباب نزول، نسخ و منسوخ کا بیان اور یہ بتاؤں گا کہ سوریش جن آیات پر ختم ہوئی ہیں ان کی وجہ کیا ہے۔“

— اس کے بعد ایک مبسوط مقدمہ لکھا ہے۔ جس میں تمام علوم قرآنی کا مفصل ذکر ہے۔

نزول قرآن کا بیان، وحی کا تذکرہ۔ نزول کی مدت، سورتوں کی ترتیل و ترتیب، ملکی و مدنی سورتوں کا بیان، تعداد سور، اعجاز قرآن کا تذکرہ قرأت قرآن، تعلیم قرآن، تلاوت کے فوائد، معانی کا ذکر، اختلاف

۱۔ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ۵۵-۵۶

قرآن ، الفاظ کی کتابت کا بیان ، مفسرین کے انداز بیان کا ذکر  
اور اہل لغت و فصحا و عرب کا تذکرہ ۔ عرض کوئی بھی ایسی بات اور  
کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کا مفصل ذکر انہوں نے اس مقدمہ میں نہ  
کیا ہو ۔

سورۃ فاتحہ کے تیسرے نام انہوں نے بیان کئے ہیں ۔ اور ہر نام کی الگ الگ  
توجیہ بھی کی ہے ۔ اور حاشیہ شریعہ بھی بیان کی ہے اس کے بعد سورۃ فاتحہ کا مفصل تفسیر  
بیان کی ہے ۔

پہلی جلد سیقول کی پہلی آیت پر ختم ہوئی ہے ۔ دوسری جلد ”قال رب انی  
لا املک الا فی وافی فافرق بینا و بین القوم الفاسقین“ پر ختم ہوتی ہے ۔ تیسری  
جلد ”فمن یشظرون الا مثل ایام الذین خلقوا من قبلہم قل فانتظروا فی حکم من  
المنتظرین“ تک ہے ۔ چوتھی جلد ”لئن کان من جو لقاء ربہ فلیعمل  
عللاً صالحاً ولا یشرک لیبارک ربہم احداً“ پر ختم ہوتی ہے ۔ پانچویں جلد  
شرع کے ایک اُدھ صفحات غائب ہیں ۔ اس آیت سے شروع ہوتی ہے ۔ ”واعلمناہ  
الشعر وما ینبغی لہ“ اور ختم قرآن مجید تک ہے ۔ آخر سے بھی دو ایک صفحات غائب  
ہیں ۔

یہ تفسیر پانچ ضخیم جلدوں میں چھ جلد کے صفحات کی مجموعی تعداد تقریباً تین ہزار  
ہے ۔ ” لہ

## ابوالفیض فیضی (۱۰۰۲ - ۹۵۴ھ)

نام ابوالفیض، لقب ملک الشہزاد اور تخلص فیضی ہے۔ بعد میں فیاضی تخلص اختیار کیا مگر اس کو شہرت و مقبولیت نہ مل سکی، سلسلہ نسب اس طرح ہے:-  
 ”ابوالفیض بن مبارک بن خضر، بن رکن الدین، بن عبداللہ، بن عوسیٰ  
 بن عبدالعزیز، بن عبداللہ،“ نسلاً لڑی اور اصلاً بمبئی تھا۔  
 پانچ شہبان، ۹۵۴ھ بمطابق ۱۵۷۲ء کو بعد سلیم شاہ سوری آگرہ  
 شہر میں پیدا ہوئے۔ آپ کی تعلیم و تربیت اور نشوونما اپنے والد شیخ مبارک کے  
 زیر سایہ ہوئی۔ بچپن ہی میں علوم و فنون سے دلچسپی تھی۔ اس نے اپنا خداداد ذہانت  
 فطری صلاحیت، اور قابلیت کی بدولت تمام مروجہ علوم و فنون پر کم سنی ہی میں کامل دسترس  
 حاصل کر لی تھی۔ اس کی جودت طبع سے ارباب کمال اور اصحاب فن انگشت بدندان رہ جاتے  
 تھے۔

تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ اس نے جودہ برس کی عمر میں جملہ علوم و فنون کے اندر  
 کمال حاصل کر لیا تھا۔ سید غلام علی آزاد و بنگالی تحریر کرتے ہیں۔  
 و فنون مقدار اول را نزد پدر در چہار دہ سالگی یہ انجام رسانید و حکمت و تربیت  
 را بیشتر مشق کرد۔ ۷

۷ مکتوب شیخ مبارک شمولہ النساء، فیضی، منظرہ، سوم خط اول مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری

۷۷ حاشیہ الکرام - ۱۹۸۱ء

فیضی کے اساتذہ میں اس کے والد کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں ملتا  
البتہ بدایونی نے "قوام حسین دہلوی کے حال میں لکھا ہے کہ فیضی ان  
کا تربیت یافتہ تھا۔ ۱

علامہ شبلی رضا صاحب کرتے ہیں کہ فیضی نے قوام سے فن شعر گوئی میں تربیتی ہوگی لہ  
اسے اپنی علمی قابلیت پر ناز تھا۔ خود کہتا ہے۔

ط۔ آنم کہ فنون ذوفنون دارم — انوار چراغ رہ بخوناں وارم ۲  
فیضی جس شان سے دربار اکبری میں پہنچا ہے اکبر نے جس طرح اس کی قدر  
افزائی تھی، محاسدوں نے جس نگاہ رشک سے اس کو دیکھا۔ دربار کی جو خدمتیں  
اس کے سپرد ہوئیں۔ ان سب کیفیات کو فیضی نے اپنے ایک قصیدے میں اس  
طرح پیش کیا ہے۔

ط۔ سحر نوید رساں قاصد سلطانی رسید ہمچو سعادت کشادہ بیسانی  
مبشران سعادت ندائیں کہ بخوانی بخت نام خود اے حزمین زندانی  
خطاب شد کہ نطف کتاں رساندش یہ آسمان سعادت زینہ ظہائی لہ

دربارے والہائی کے بعد اکبر سے اس کا تقرب روز بڑھتا گیا۔ اگر اس کی حاضری  
دماغی اور حاضر جوابی سے جہل متاثر تھا۔ اس کو ہمہ وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ فیضی  
کی عظیم شخصیت کا ظہور دربار اکبری سے منسلک ہونے کے بعد ہوا۔ اس کا

۱۔ منتخب التواریخ - ۱۷۸/۳ - ۵۲ شعر المعجم، ۳۳/۳  
۲۔ مآثر الکرام ۱۹۸/۱ ۵۳ یزم تیموریہ ۱۳۱-۳۲/۱



ستارہ یام روج تک اکر کی سر پرستی ہی کی وجہ سے پہنچا۔ تاہم فیضی نے دربار کی بڑی ذمہ داریاں قبول نہیں کیں اس لئے وہ چہار صدی کے مصائب سے آگے نہ بڑھ سکا۔

### علمی مقام :-

وہ اپنے وقت کا بلند پایہ ادیب کا انشا پرداز، بے مثل شاعر، حکیم، فلسفی، نہایت ذہین، حاضر و بالغ، حاضر جواب، مستحسن و برجستہ شاعر، تہرین واقفیت رکھنے والا، جملہ علما و فنون کا ماہر، اہل علم کا قہر داں اور عربی زبان و ادب پر حیرت انگیز قدرت رکھنے والا عالم تھا۔ علمی و لیاقت کی وجہ سے وہ شہر ادب کا اقبال بن گیا تھا۔ وہ علم و فن کا دلدارہ، اور کتب بینی اور کتب جمع کرنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔

فیضی کی جودت طبع، قوت فہم، پختگی شعور، دقت خیال، بذلہ سنجی، سلاست بیان، فصاحت و بلاغت، فکر الکلامی اور پرجوش اسلوب بیان کا، اس کے ہم عصر مورخوں، ابد کے نقاد اور تذکرہ نگاروں نے پرشکوہ الفاظ میں اعتراف کیا ہے فاضل بدایونی لکھتے ہیں۔

”وہ تنوں جزئیہ - شعر، معجم گوئی، عروض و قافیہ، تاریخ و لغت اور

طب و انشاء میں بے مثل شخص ہے۔“ - ۱۷

خلاصۃ الاسعار کے مولف رحمطراز ہیں۔

”امیر خسرو کے وقت سے اب تک ہندوستان میں منفی جیسا صاحب  
فطرت شاعر پیدا نہیں ہوا۔ تمام علوم اور اصنافِ سخن میں اس کی  
مہارت اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ اس دیار میں جتنے بھی شاعر ہیں  
سب ہی اس کی استاد کو تسلیم کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی شاگردی  
پر فخر و میاں بات کرتے ہیں۔ — علوم و فنون کی تمام اقسام میں اس کی  
مہارت توفیق و توصیف سے بالا تر ہے۔“ ۱۷

غلام علی آزاد لکھتے ہیں۔

”اور جامعیت علوم و لطف شعر و حسن مثال عدیم المثال است“ ۱۸

نظام الدین بخشی تحریر فرماتے ہیں۔

”در فنون مد بیضا دارد، و در انشا، منفرد و یگانہ است از روع  
جامعیت نظیر نہ دارد“ ۱۹

”محمد حسین آزاد منفی کی انشا پردازی کی توفیق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

”انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے۔ اس کے لطیف استعارے  
رنگیں تشبیہیں، بلند مضامین، تازک خیالات، فصیح زبان، نظم  
کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطلب کے انداز دیکھنے کے  
قابل ہیں۔“ ۲۰

---

۱۷ بحوالہ تذکرہ شاعر کشمیر ۹۶/۳-۱۱۴۳ ۱۸ ماثر الکرام ۱/۱۹۸

۱۹ طبقات اکبری ۳/۱۸-۲۸۶ ۲۰ دربار اکبری ۲۷۱/۱

یہ ایک حقیقت ہے کہ فارسی شاعری اور انشا پردازی کی وجہ سے منفی کا ستارہ  
 چمکا ، تاہم فارسی شاعری نے اس کے دیگر کالات پر پردہ ڈال دیا ،  
 منفی کی وفات ۱۰۰۲ھ / ۱۵۹۵ء کو ہوئی ۔  
 تصانیف :-

اس کی تصانیف ، تصحیح کردہ کتب اور تالیفات کی تعداد چار ہزار سے  
 بے شمار تھی ۔ بدلولی کا بیان ہے ۔

اس کے نزدیک میں چار ہزار چھ سو مجلد نفیس ، تصحیح کردہ کتابیں تھیں ،  
 جن میں اکثر کتابیں خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں ۔ یہ سب شاہی  
 کتب خانہ میں داخل کر دی گئیں ۔ ۱۷

صاحب مآثر الامراء کا کہنا ہے کہ ! ”منفی نے ایک سو ایک کتابیں تالیف کیں ۱۷  
 لیکن ان کتابوں کی گشت دہی کی وجہ سے ان کے ناموں اور صحیح تعداد کا علم نہیں ہے ۔ چند  
 کتابیں جو محفوظ رہ گئیں ان کے نام اس طرح ہیں !

- ۱۔ توارک الامراء و سلاطین در الرحیم
- ۲۔ سوانح الالہام (۶ ج) ۱۸
- ۳۔ مطیفہ منفی ،
- ۴۔ طباشیر الصبح
- ۵۔ قصائد
- ۶۔ سیادت
- ۷۔ بہار باریت و غزہ

---

۱۷ منتخب التوارک - ۳ / ۳۰۵

۱۸ مآثر الامراء ۲ / ۵۱۷

طرز زبان و ادب میں مہین کی طرف دو قدم الذکر کرتا ہیں۔ اس کے ایسے عظیم الشان اور زندہ و جاوید سناہکار ہیں کہ جن کی مثال عالم اسلام پیش کرنے سے قاصر ہے۔ یہ دونوں کتابیں صحت، غیر منقوطہ میں لکھی گئی ہیں۔ ان سے مہین کی طرز زبان و ادب برہمات کا ثبوت ملتا ہے۔ ان دونوں کتابوں کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

### موارد الکلام و سلاصہ و در الحکم

اس کی یہ کتاب غیر منقوطہ طرز کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ یہ تصنیف اپنی غیر منقوطہ تفسیر، سواطع الالہام کے لئے بطور مقدمہ لکھی تھی۔ اس طرز کو صحت مہم یا صحت اہمال کہتے ہیں۔ کتاب کے نام ہمارے سن تالیف بھی ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس نے آغاز کتاب میں لکھا ہے۔ "وعد اسمع عام رسمہ"

باب یا ابواب کے بجائے حور یا موارد استعمال کیا ہے۔ موارد کی تعداد ۸۴ ہے۔ موارد کے تحت مصنف نے اسلام، کلام اللہ، علم کلام، آدم علیہ السلام رحما (اصحاب رسول) اور اخلاق و مواعظ کے علاوہ بہت سے عقیدہ مضامین کو موضوع بحث بنایا ہے جس سے دنیا کی یہ ثباتی ظاہر ہوتی ہے۔ آغاز کتاب ان الفاظ سے ہوتا ہے

"الحمد للہم الکلام الصاعد و هو المحمود اولاً والمعامل و ما وجدہ"

موحد الالہ و اللہ اللہکم الہ واحد الخ"

پہلا مورد "مورد الاسلام" ہے۔ اس کے تحت مصنف نے اسلام کے بنیادی ارکان خمسہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔

مورد الاسلام "کلمہ" ھللوا وصلوا وصوموا وحور واحول الحرم

مواضعہ، واکملوا مع الاحرام مراسمہ، واعطوا ما لا مأموراً

للمصلوۃ وصولاً اسلام ۱۵

مصنف نے تقریباً ڈھائی صفحات میں باری تعالیٰ کی ذات و صفات کو بیان کیا ہے۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دو دو سلام بھیجا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ میری پیدائش آگرہ شہر میں ہوئی۔ والد بزرگوار نے علم سے آراستہ کیا، ۸-۹ سطروں میں اپنے والد کے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کو قلمبند کرنے کے بعد تقریباً ڈیڑھ صفحہ میں رکر بادشاہ کی مدح سرائی کی ہے۔ کتاب کے مندرجات اور فہرست مضامین پیش کر کے بارگاہِ ایزدی میں عمل صالح کی توفیق کے لئے دعا مانگی ہے۔

مورد کلام اللہ کے ذیل میں لکھا ہے۔

کلمہ: کلام اللہ لا ُخذ بمعادۃ ولا حد لکاردہ، حاملۃ والدہ  
دعاۃ سامک، وعاملۃ عام، وعامۃ صادق و حاکم عادل

وسائلۃ واصلۃ الخ " ۱۵

مصنف نے اس طرح قرآن پاک سے متعلق چار صفحات میں بحث کی ہے۔ بعد ازاں علم کلام کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

"نور محمد" کے تحت مصنف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت،

۱۵ موار الکلم بذیل مورد الاسلام

۱۶ ایضاً - ۱۹/

آپ کے محاسن و فضائل کا تذکرہ کیا ہے ۔ ولادت یا سعادۃ کے متعلق لکھا ہے ۔  
 کہ آپ نوشیرواں عادل کے زطنے میں پیدا ہوئے ۔ اس کے قلعے کے گنگوڑے گریٹرے  
 شفا صدر کے بارے میں بتایا ہے کہ آپ کا سینہ مبارک چند مرتبہ چاک کیا گیا ۔ اور  
 شفا کرنے والے ”روح الامین“ تھے ۔

دوسرے کلمہ کے تحت آپ کی بعثت اور دیگر تمام انبیاء کرام کی رسالت کا مقصد  
 اور نازل دہی کے طریقوں کی وضاحت کی گئی ہے ۔

تیسرے کلمہ میں واقعہ معراج کا بیان ہے ۔ مولف نے جسمانی معراج کو بیان کیا ہے  
 جو تھے کلمہ میں یہ بتایا ہے کہ آپ کا کوئی استاد نہیں ۔ اللہ ہی نے تمام علوم سکھائے  
 حق تعالیٰ نے کلمہ توحید میں اپنے نام کے ساتھ آپ کے اسم گرامی کو ملا یا ۔ بعد ازاں آپ کے  
 چند ذاتی و صفاتی ناموں کے بعد خوارق و معجزات کا ذکر کیا ہے ۔

مورد محمدی کے ذیل میں خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ کرام کے احوال اور کمالات کا  
 ذکر کیا ہے ۔ اسی طرح اہل اللہ ، ان کے کلام ، دعائے ملوک ، جنگ بیماری ، دوا  
 سلام اور علم کے لیے ”اَللّٰک الْکُوارد“ نام کر کے ”بِرْ مَفْقُوْط الْفَاظ“ کے محدود دائرہ میں  
 کر علامت بحث کی ہے ۔

کتاب میں جہاں عمدہ عادتوں کے فضائل کو بیان کیا ہے وہیں بڑی عادتوں  
 حد ، کینہ ، عدم اتفاق اور کیر وغیرہ کے رذائل کی مذمت فرمائی ہے ۔

آخری مورد ”مورد المسام“ (موت) ہے اس کے ذیل میں فیضی نے موت سے  
 متعلق اس طرح لکھا ہے ۔

”کل داء دواء الا السام — العرم محمد، دواء السام مرصود“

الحصر للسام علم — لدواء السام وعمر داء لاهلاک الخ<sup>۱</sup> لہ  
مصنف نے حاجی اشعار پیش کئے ہیں۔ ان میں بھی کوئی نقطہ دار حرف استعمال  
نہیں کیا ہے۔ اور تکمیل کتاب پر خدا کا شکر ادا کیا ہے۔

خاتمہ کتاب میں فیضی نے اپنی قابلیت ظاہر کرنے کے لئے چھ سطروں میں ایسی  
عبارت بھی پیش کی ہے جس کے ہر لفظ میں نقطہ ہے۔ اس طرز کو مصنف مجھ کہتے ہیں  
عبارت کا نمونہ یہ ہے۔

”ذبت فیضی فتن فیضی غنی نبذۃ قلنیۃ۔ الخ۔“

لیکن یہ عبارت اس قدر غریب نامانوس، وثیق اور مشکل الفاظ پر مشتمل ہے  
کہ اس کا سمجھنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے

### سواطع الالهام :

الوالفیض فیضی نے اپنی یہ تفسیر ۱۰۰۲ ھ بمطابق ۱۵۹۳ء میں مکمل کی۔ اس کے  
صہبہ اکبر نے اس کو کو دس ہزار روپے انعام دئے۔<sup>۲</sup> لہٰذا اس تفسیر پر  
اس کو بڑا ناز تھا۔ دستوں کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں اکثر فقرے اس کا تذکرہ کرتا  
ہے۔ جن لوگوں نے تاریخیں اور تقریظیں لکھی ہیں ان کے نام بھی لکھے ہیں۔  
ماضی بدایونی لکھتے ہیں۔

لہٰذا موارد الکلم - ۱/۷۳-۷۴

لہٰذا مآثر الامراء - ۲/۵۸۷

”تفسیر کی مقامات ۷۵ اجزاء ہیں جس کو فیضی نے ۹۹ غیر منقطع فقرات سے مکمل کیا ہے۔ ”اراشانی“ سے اس کی تاریخ نکالی۔ چند اجزاء عراق بھی بھجوائے، اور اس سال اس کی تصحیح اور تقابیل میں مشغول رہا۔“ ۱۷

”اس کی میر تفسیر دو برس میں مکمل ہوئی۔ مولانا جمال تلوی نے اس تفسیر میں اس کی مدد کی تھی“ ۱۸

”حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بھی بعض مقامات پر امانت کی تھی“ ۱۹

فیضی کی تفسیر کے لئے آغاخان زمانہ اہل علم نے تقریظیں، تاریخیں، قصائد، رباعیاں اور توصیفی کلمات لکھے تھے۔ ان میں سے بعض نے تو غیر منقطع الفاظ ہی میں تقریظ لکھی تھی۔ جیسے نور اللہ سوسٹری وغیرہ۔

بدایونی رقمطراز ہیں۔

”علماء روزگار نے اس پر تقریظیں لکھی ہیں۔ شیخ یعقوب عرفی نے تقریظ لکھی، دیاں امان اللہ سہمدانی اس کی تاریخ“ ولا طلب ولا یالیں الانی کتاب میں“ سے اور میر حیدر معانی نے نسیم چھوڑ کر پوری سورۃ اخلاص سے نکالی۔ الخ۔“ ۲۰

— ان میں سے بعض تقریظیں اور تاریخیں کتاب کے آخر میں درج ہیں۔

— یہ تفسیر جمادی الاولیٰ ۱۳۰۶ھ / جنوری ۱۸۸۹ء میں نوکسور لکھنؤ سے

۱ منتخب التواریخ - ۳/۳۹۳ ۲ منتخب التواریخ ۳/۱۰۵

۳ زبدۃ المقامات ۱۲۲/۳ ۴ ” ۳/۲۹۲



طبع ہو چکی ہے۔ مقدمہ کے علاوہ تفسیری متن ۷۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔  
 انٹراہل مسلم نے مینفی کی اس غری کاوش کو سراہا ہے۔ بدالوہی نے ایک جگہ لکھا  
 ہے کہ۔ ”اس نے اپنی یہ تفسیر بدنامی دھوٹے کے لئے۔۔۔۔۔ لکھی۔“ ۱۵  
 دوسری طرف وہ اس کی تاریخ بھی ”من احسن التفاسیر لبسم اللہ الرحمن الرحیم  
 سے نکالتے ہیں۔

غلام علی اس تفسیر کی بابت رقمطراز ہیں۔  
 ”شیخ مینفی کی فصیلت کی دافع دلیں ان کی غیر منقوطہ تفسیر سواطع  
 اللہام ہے یہ کارنامہ گذشتہ ہزار برسوں میں کسی نے بھی سر نہیں کیا“ ۱۶  
 مینفی نے غیر منقوطہ الفاظ میں اپنی یہ تفسیر لکھ کر جہاں غری زبان و ادب پر  
 اپنی قدرت کا ثبوت دیا ہے وہیں کلام اللہ کے اس معجزہ کو اجاگر کیا ہے کہ اس کی تفہیم  
 و توضیح کے لئے مختلف اسالیب اختیار کئے جاسکتے ہیں۔

صنعت اہمال کے التزام سے ذخیرہ الفاظ کا محدود ہو جانا فطری بات ہے یہی  
 وجہ ہے کہ ادائیگی مافی الضمیر کے لئے کہیں بے حد اختصار، اور کہیں ضرورت سے زیادہ کلام  
 ہے۔ اس لئے عبارت میں تکلف، تصنع، اور تعقید پیدا ہو گئی ہے۔ مقدمہ کے وہ  
 مقامات تو بہت پیچیدہ ہیں جہاں مینفی نے اپنے باب اور بھائیوں کے ناموں کا نشانہ  
 کے لئے محمول کا سہارا لیا ہے۔

تفسیر کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے فقہ، اصول فقہ، علم قرآن، فن تفسیر اور ان تمام علوم پر مکمل عبور تھا جن کا ایک کامیاب مفسر کہنے کا سزاوار ہے۔  
 منیفی نے اپنی تفسیر کا آغاز ایک طویل مقدمہ سے کیا ہے۔ مقدمہ کے تین حصے ہیں۔ پہلے، احوال مصنف اور قرآنی علوم، آخری دو حصوں کے لئے مستقل الگ الگ عنوان قائم کئے ہیں۔ ان دونوں کو ذیلی عنوانات یا فصول کے تحت تقسیم کیا ہے۔ اور ہر عنوان کا نام "سائطہ" رکھا ہے۔ سوائطہ کی کل تعداد ۱۱۹ ہے۔ بیس سوائطہ احوال مصنف کے ذیل میں۔ اور علوم قرآنی سے متعلق ۹۹ سوائطہ ہیں۔ یہ تمام سوائطہ مساوی نہیں ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک ڈیڑھ سطر کا ہے۔ تو کوئی ۲ سطروں سے بھی سجاوڑ ہے۔

پہلے میں حمد و صلوة، مقصد تحریر، طرز نگارش، اور تفسیر کا نام بیان کیا ہے۔  
 نمونہ حمد یہ ہے :

"الہدایہ لا ہول الا علیہ ما ہو ، وما ادرکہ کما ہو ، احامد الحمد

وحماد الاحامد — اللہم صل وسلم رسولاً مودوداً محمداً محموداً اماماً

الحق امام " الخ . . .

احوال مصنف کے تحت منیفی نے لکھا ہے کہ زمانے کی یادری، عادل بادشاہ کی موافقت اور والد ماجد کی دعاؤں ہی کے نتیجے میں یہ تفسیر مرض وجود میں آئی۔ بعد ازاں اپنے والد اور بھائیوں کے نام محو میں لکھے ہیں۔ جنہیں ڈاکٹر زبیر احمد نے اپنی کتاب میں بڑی خوش اسلوبی سے حل کیا ہے۔ اسے حاشیہ الگلہ صف

تفسیر میں جن امور کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان کے بارے میں بتایا ہے کہ قرآنی متن کو جلی قلم سے اور تفسیری بیان کو خفی قلم سے لکھا گیا ہے۔ نیز تفسیر میں صرف ان ہی امور کو بیان کیا گیا ہے جو قرآن کریم کی اصل مراد ہیں۔ رسولوں کے قصص اعم سابقہ کے واقعات، آیتوں اور سورتوں کے محرکات اور شان نزول بیان کرتے وقت یززدی اور سے اقرار کیا گیا ہے۔

تفسیر کی تعریف میں فیضی نے ایک غیر منقوطہ طرز نظم بھی تحریر کی ہے۔ نظم کا مطلع یہ ہے

الواح سحر ام طلسم مکرم - وما هو سحر او طلسم محرم

مقدمہ کا تیسرا حصہ علوم قرآنی کے بیان میں اس کا آغاز اس طرح کیا ہے۔

اصل المراد واس المرام هو اللہ وحدہ ولہ رسل اور سلیم اللہ

لاصلاح العالم وھم موصولوا المراد لا حصرا بعدا ھم الخ لہ

بعد ازاں کلام اللہ علیہ السلام و عمل کی اہمیت، علماء و سورت کی خرابیاں، نیک

علماء کی خوبیاں، اور مفسر کے لئے جن امور کا جاننا ضروری ہے ان کو بیان کیا ہے

پھر فیضی نے لکھا ہے کہ قرآن پاک میں تین علوم بیان کئے گئے ہیں۔ اول علم توحید

دوم، علم ترغیب و ترہیب، اور سوم علم احکام یا ادا و نواہی۔

مصنف نے ملکی صورتوں کی وضاحت کے لئے ان کے شروع میں "موردھا

لہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا - طرز ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۵۲

لہ سواطع الالہام / ۱۵

ام الرعم " اور مدنی سورتوں کی تعین کے لئے "مورد ہا مصر رسول اللہ صلعم" لکھا ہے۔ سورتوں کے اعداد و شمار بیان کئے ہیں۔ قرآن کریم کے بارہ تیرہ غیر منقوطاناً ذکر کرنے کے بعد قرآن پاک کے رواۃ، حفاظ، المہ تفسیر، اور المہ مجتہدین کا ذکر کیا ہے۔ قرآن میں بعض مخصوص الفاظ اور کلمات کے سلسلے میں کھوی، کھوی، کھوی، کھوی، اور اصولی بحث استنباطی خوش اسلوبی سے کی ہے نیز قرآن کے اسلوب بیان، مخصوص اظہار اور رسم خط وغیرہ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

مقدمہ میں ضمناً بہت سے علوم فنون کے نکات، جزئیات اور باریکیوں پر ملاحظہ بحث کی ہے۔ فیضی کا یہ مقدمہ علم تفسیر کا بہترین شاہکار ہے۔ اس سے مصنف کی ادب طری، فقہ، اصول تفسیر، بلاغت، علم قرآن، لغت، اور علم اشتقاق پر مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔

صنف ہند کی وجہ سے اسکی تفسیر میں تعقید اور پیچیدگی پیدا ہو گئی ہے۔ آخر میں فیضی نے اپنی تفسیر کی تکمیل پر مختلف غیر منقوط الفاظ میں تقریباً ۹۰ تاریخیں لکھی ہیں۔ اور انہیں پر تفسیر کو ختم کیا ہے۔  
نمونہ اختتام یہ ہے۔

واعذ بحرہ، معصوماً مودوداً حامداً، صلاً ولاً الحمد دھوراً  
حمداً صاعداً مصعداً کاہلاً نکلاً۔

## عبداللہ سلطان پوری (۲ ۹۹۰ھ)

حالات :-

خاندان سورتموریہ کے نزدیک یکساں محترم سیّد شیخ الاسلام، مخدوم الملک، عبداللہ سلطان پوری ہیں۔ اکابر علماء، اعظم فقراء، عارف، متشرع، متورع، دافع کفر و بدعت، اجماع السنۃ والتوحید اور جامع معقولات و منقولات تھے۔ شریعت کی ترویج میں، ہمیشہ کوشاں رہے۔ بقول بدایونی، "بہت متعصب سیّد اور مخلصوں کے کڑ مخالف تھے۔" آپ کے والد کے نام شیخ شمس الدین الرضاری تھا، ان کے آباء واجداد علما کی جانب سے شہل کے پنجاب سے شہر سلطان پور میں آباد ہوئے۔ یہیں موصوف کی ولادت ہوئی ابتدائی تعلیم بھی اسی جگہ حاصل کی، خرید تعلیم حاصل کرنے کے لئے سرہند تشریف لے گئے، یہاں انھوں نے بعدالفا در سرہند سے طری، اصول فقہ، تاریخ اور تمام علوم شرعیہ میں مہارت کامل حاصل کی۔ دہلی میں شیخ ابراہیم بن عین حسینی الایرجی سے فن حدیث سیکھا۔ ان کی مذہبی عظمت خاص و عام کے دلوں پر چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے ہر بادشاہ وقت ان کا خاص خیال رکھتا تھا۔ ہمایوں بادشاہ ان کی بہت تعظیم کرتا تھا۔

آئین اکبری میں لکھا ہے کہ !

"ہمایوں نے انہیں مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کے خطاب دے دیے تھے۔" ۴۷

---

۴۷ تذکرۃ علماء ہند ۶۵-۲۶۲ - صدائق الحنفیہ ۳۹۷ - رد کوثر ۹۲  
یزریموریہ / ۱۰/۱۱ - دائرۃ معارف ۱۱۷ - آئین اکبری ۴۱۲

مگر مائرا لارا میں مذکور ہے کہ !

”شیخ الاسلام کا خطاب شیر شاہ سوری نے دیا تھا۔ شیر شاہ کے بعد اسلام شاہ کے عہد میں مخدوم الملک کا در اور دبیر اور بڑھ گیا۔ اسلام شاہ جانتا تھا کہ عوام کی دلوں پر ان کی باتوں کا بہت اثر ہے اور وہ بہت کچھ کر سکتے ہیں چنانچہ وہ ان کا بڑا ادب کرتا تھا۔ اور ملاقات کے وقت انھیں اپنے برابر بٹھاتا تھا۔“

سور خاندان کے خانہ کے بعد مولانا عبداللہ سلطانپوری بہاولپور کے خاص الخاص درباری اور مختار کل بن گئے۔ جہاں انہوں نے بہت جلد اپنی علمی فضیلت کی وجہ سے امارت کے ساتھ بڑا دبیر حاصل کیا۔ جب اکر تخت نشین ہوا تو وہ ابھی نو عمر تھا۔ اس کے معتمد اور سپہ سالار بیرم خاں نے مخدوم الملک کی عزت افزائی کی۔ انھیں وسیع جاگیر علاقہ مان کوٹ میں دی اور سلطنت کے معزز اراکین میں شامل کیا۔

مخدوم الملک نے اپنا اختیار و اقتدار دو کاموں کے لئے استعمال کیا۔ ایک نوکب زر کے لئے، اور دوسرے سادہ ملکیت کا خطرہ دکھا کر ہراساں عالم اور دورانہدیش کو اذیت پہنچانے کے لئے جو ان سے کسی مسئلہ میں اختلاف رکھتا تھا۔ جمع احوال کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مرے نو تین کروڑ روپے نقد ان کے گھر سے لکے۔ ان کے گور خانے میں چند صندوق لکے جہاں میں سونے کی اینٹیں چھپی ہوئی تھیں۔ جو مردوں کے بہانے سے دفن کر دئے گئے تھے۔

ان کی طبیعت کا رنگ بالکل ظاہر برستی کا تھا۔ اور اگر وہ شرعی حیلوں سے شارع کا اصل مقصد ضائع کر دیتے تو انھیں ذرا بھی تامل نہ ہوتا۔ زکوٰۃ اور حج جیسے اہم ارکان مذہبی کی نسبت ان کا یہ حال تھا کہ سال کے اختتام پر تمام مال ہی کی بلکہ کر دیتے۔ اور وہ نیک بخت سال کے اندر پھر انھیں واپس کر دیتی تاکہ اس کے حید شرعی سے زکوٰۃ بچ جائے۔ اس طرح جب حج کے متعلق ان سے کوئی پوچھتا کہ ”میرے مساجد زعفرانی“ تو جواب ملتا ”نہ“ وجہ یہ بتاتے کہ خشکی سے جائیں تو رانسیوں کے ملک سے گزرنا پڑتا ہے۔ تری کی راہ جائیں تو زنگیوں سے عہد و پیمان کرنا پڑتا ہے۔ وہ بھی دلت ہے۔ پس دونوں چیزیں نا جائز ہے۔ اس خیال کی تائید میں سو سے زائد روایتیں نکال رکھی تھیں۔ (گلزار ابرار "۱۷)

خاندان سور کے زمانے میں ہمدی فرقہ زدروں پر تھا۔ اور اس کی بعض باتیں ”امر بالمعروف اور نہی عن المنکر“ کی تحصیل میں تھیں اس لئے بعض نیک نفس ہستیاں بھی اس تحریک میں شامل ہو گئی تھیں۔ اور بعض وہ لوگ بھی جو ہمدی جو پوری کے قائل نہ تھے وہ بھی ہمدی طور طریقوں کی قدر کرتے تھے۔ مخدوم الملک ان سب کے سخت مخالف تھے۔ چنانچہ انہوں نے ہمدیت کا الزام دے کر بڑے بڑے پاکباز اور نابل غرضت بزرگوں کو خوب ازیتیں پہنچائیں۔

۱۰۰  
 "شیخ علائی جن کی بزرگی، حق پرستی اور حسن سیرت کے سبب مورخ  
 گواہ ہیں ان کو کورڈوں سے اس طرح پٹوایا کہ وہ شہید ہو گئے۔" ۱  
 "شیخ داؤد کو بھی جو موضع بہمنی علاقہ لاہور کے باشندہ تھے۔ طرح  
 طرح سے تنگ کیا۔ اسی طرح عارف شاہ حسنی جو ممتاز فقراء میں تھے  
 جب وہ لاہور آئے تو مخدوم الملک اور ان کے ہم قواؤں نے انہیں بہت  
 پریشان کیا۔ اور وہ مجبور ہو کر کشر چلے گئے۔" ۲

غرض یہ کہ عہدہ اپنے فی الفین پر طرح طرح کی لہمتیں لگا کر انہیں پریشان کرتے  
 کسی پر ہمدی ہوتے کا الزام لگاتے، تو کسی کی تصنیف کے متعلق فرماتے کہ "ازد  
 بوئے رضا فی آید" ماثر الامراء میں ان کے ترجمہ کے ذیل میں ہے۔

"کہ آخر احمیت دین نامتد، بیشتر یود در پردہ دیندار کی استفاد  
 قوت غضبی روجہ ام فی نمود" ۳

غریب ظاہر اہل تاریخ طرح طرح کا الزام لگاتے ہیں۔ شیخ محمد اکرم تہ بہت  
 عمدہ تجزیہ کیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔

مخدوم الملک کی شخص کو ناہیوں میں کلام نہیں۔ اور عبادت خانے  
 کے مباحثوں میں علماء کے بالعموم بڑی ناواقفیت اندیشی سے کام لیا۔  
 جس سے اگر کے دل میں لطیفہ علماء کے لئے کوئی احرام باقی نہ رہا۔

۱ ماثر الامراء ۲۵۲ / ۳ ۲ منتخب التواریخ ۳۲ / ۳

۲ ایضاً ۲۵۲ / ۳





مخدوم الملک سے بھی اس دستاویز پر دستخط کرائے گئے۔

مخدوم الملک اور صدر الصدور کو ۱۵۸۰ء کے شروع میں حج اور خیراتی کاموں کے پہلے حجاز میں جلا وطن کر دیا گیا۔ اور حکم ہوا کہ بلا اجازت نہ آئیں۔ انہیں جانا ناگوار تھا۔ جب ملک میں بادشاہ کے خلاف عام برہمی اور اضلاع مشرقی میں بغاوت پھیلی تو وہ غلط امیدوں کے نشے میں مرثا بلا اجازت واپس آ گئے، لیکن ان کے یہاں پہونچے۔ ملک مخالفت دیا دی گئی تھی۔ مخدوم الملک تو واپسی پر ڈر سے ہی احمد آباد بھارت میں ۹۹۰ھ بمطابق ۱۵۸۳ء کو وفات پائی گئے۔

ماثر الامراء میں لکھا ہے کہ بادشاہ کے حکم سے کسمانے انہیں زہر دیدیا۔  
جنازہ احمد آباد سے جالندھر آیا اور وہاں انہیں دفن کر دیا گیا۔

### علمی کارنامے ۱۔

علامہ القادر بدایونی اپنی سخت تنقیدوں کے باوجود ان کی علمی فضیلت کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں۔

”از فحول علماء زماں و لیگانہ دوراں بود خصوصاً در عربیت و اصول فقہ

و تاریخ و سائر تعلیقات صاحب تصانیف لایع و رائے است“ ۱۷

وہ خاص طور پر ان کی دو مشہور کتابیں ”عصۃ الانبیاء اور شرح سائل النبی“

کا تذکرہ توصیفی انداز میں کرتے ہیں۔

---

۱۷ ماثرا لامراء - ۳ / ۲۵۳

۱۸ منتخب التواریخ - ۳ / ۷۰

جامع معنولات و منقولات یہاں عالم سنبھل فرماتے ہیں کہ !  
 "مخدوم الملک سلم محاضرات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے" ۱۰  
 طبقات اکبری کے مولف نظام الدین بخشی تحریر کرتے ہیں -  
 "حضرت جناب آشیانی (ہمایوں) اور الخطاب مخدوم الملک از دیگر  
 علماء امتیازدادہ بودند در علم فقہ، و نقلیات گوئے سبقت ربودہ" ۱۱  
 جب اُترنے انھیں حجاز جلا وطن کیا تو ان کی ملاقات شیخ شہاب الدین  
 احمد بن حجر مکی سے بھی ہو تو انھوں نے بڑا احترام کیا -  
 شیخ محمد اکرم لکھتے ہیں -

" ۱۵۸۲ء میں میر ابو البقا جو ایران توران کے تمام علماء و فضلاء  
 میں اہم مقام رکھتے تھے - ہندوستان آئے تو انھوں نے مخدوم الملک  
 کو سب پر ترجیح دی ۱۲  
 تصانیف :-

ان کی تالیفات کی تعداد صحیح نہیں معلوم ہے - مختلف تذکروں میں جو نام ملتے  
 ہیں وہ یہ ہیں -

- |                  |                                       |
|------------------|---------------------------------------|
| ۱ - مہناج الاصول | ۲ - شرح شمال النبی صلی اللہ علیہ وسلم |
| ۳ - کشف الخمر    | ۴ - عصۃ الانبیاء -                    |

۱۵ منتخب التواریخ - ۳/۷۷ ۱۶ طبقات اکبری - ۳/۴۵۵  
 ۱۷ رد کوثر - ۸۹/

۵۔ شرح عقیدۃ الحافظیۃ - ۱۰۴  
 ۶۔ رسالۃ فی تفصیل العقل علی السلم  
 یہ تمام کتابیں مسائل دین اور اصول دین سے متعلق ہیں۔ ان میں سب  
 سے اہم علمۃ الانبیاء ہے۔

### علمۃ الانبیاء :

اس کا ایک قلمی نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں موجود ہے جس کی تفصیل درج  
 ذیل ہے۔

کتاب کا نام علمۃ الانبیاء ، مصنف کا نام عبدالدین شمس الدین ،  
 المعروف بہ مخدوم الملک ، سن کتابت ، ۱۱۳۳ھ اور ان کی تعداد  
 ۹۱۴ ہے۔ نسخہ صاف ، مکمل اور عمدہ ہے۔ خط نسخہ ہے۔ کتاب  
 کا نام معلوم نہیں۔ البتہ سرورق پر محمد بنیض ۱۱۷۷ھ کی مہر ہے۔  
 شروع کے کچھ صفحات پر حاشیہ ہے۔  
 یہ کتاب ایک مقدمہ اور تین مضامین پر مشتمل ہے۔ موضوع کتاب علمۃ الانبیاء اور  
 اس کے متعلق مسائل ہیں۔

مؤلفہ عبارت یہ ہے !

والحق انہ یکنی فی العلمۃ ، اللقۃ والعلم بحسن الطاعة و صبح المعاصی  
 لکن المذكور فی اکثر کتب القوم انہم لا یستطون الحصول علیہ الملکت سوی  
 علی العلم بعد عروض الہیئۃ النفسانیۃ المذكورۃ واشتراط تاج  
 العوی والاعتراض والتنبیہ واصافہ ، الامرانہ تاکدہا فی الانبیاء

كما قال في شرح الطوالح في بيان هذا المذهب بعد بيان حصول  
 هذا المملكة بالامرين المذكورين ، وتأكد العصمة في الانبياء  
 بثلاثة امور الاول تنال الوحي والثاني الاعتراض على اصدار عنهم  
 سهواً والثالث العتاب على ترك الاولى - وانما قال في الانبياء  
 لا يشترط فيها الوحي هنا كلامه " .

### عبد النبی گنگوہی (۱۹۶۲ء)

شیخ عبدالباقی صابریہ، چشتیہ، سلسلہ کے بزرگ، حضرت عبد القدوس گنگوہی  
 (م ۱۹۶۶ء) کے بڑے اور شیخ احمد لڑکے تھے۔ ہندوستان میں تقسیم کرنے  
 کے بعد ہندوستان کے بڑے اور مدینہ منورہ جاکر حدیث کا علم حاصل کیا۔ وہاں سے واپسی  
 کے بعد مدینہ کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ تقویٰ اور پاکیزگی کے ساتھ عبادت میں مصروف  
 رہتے تھے۔ " ۱

اوراد و اشغال کے سلسلے میں جس دم کی مشق بھی بہم پہنچاتی تھی۔ ایک بار  
 تک سانس روک کر مشغول ذکر کرتے تھے۔ ۲  
 متقلبات اور علم حدیث میں اچھیں بہت زیادہ شہرت حاصل تھی۔ ان کے والد  
 نے سماع کے حوازیں ایک رسالہ لکھا تھا۔ انہوں نے تردید میں ایک رسالہ لکھا۔

۱ منتخب التواریخ ۳ / ۷۹

۲ مآثر اکرام ۲ / ۵۶۰

اس آزادی اور شہرت، دیانت نے انہیں ۶۱۵۹۳ میں مستند صدارت پر لا بٹھایا۔  
وہ مخدوم الملک سے علم میں چھوٹے تھے۔ اور ان کی طرح غائب اور ظالم نہ تھے۔ لیکن  
سجدہ دل کے امانوں کو جاگیریں صدر الصدور کے دستخط سے ملتی تھیں اور کہا جاتا  
تھا کہ اس غنم میں شیخ کے منوسلین رشوت لیتے ہیں۔ ۱

ملا عبد القادر بدایونی ان کی صدارت عظمیٰ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں !  
”چوں منصب صدارت رسید جہاں جہاں زمین مدد معاش و  
وظائف و اوقاف بخلائق کشید چنانچہ در زمان ہیج بادشاہ  
ایں چنین صدرے با استقلال نہ گشتہ رشتہ شہر ایں  
اوقاف کہ اردادہ ندارد “ ۲

### شیخ کی عظمت :

اگر ان کا بہت احترام کرتا تھا اور وہ ان کا اس حد تک معترف تھا کہ نہ صرف  
سلطنت کے اہم معاملات میں ان سے رائے لیتا۔ بلکہ ان سے حدیث سننے کے  
لئے ان کے گھر جاتا۔ ان کی ترغیب سے شرعی احکام جاری کرتا۔ سجدہ جاکر اذان  
دیتا۔ اور ثواب کی نیت سے سجدہ میں جھٹاڑو بھی دیتا۔ وہ روز بروز ان کا گرویدہ  
ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے حکم دیو یا کہ جب تک حاکم محروس کے تمام ائمہ  
اپنے وظائف اوقاف اور معاش کے فرائض پر ان کی مہر نہ لگوائیں۔ کردری ان کی رقم

۱۔ رود کوثر ۹۸

۲۔ منتخب التواریخ ۸۰/۳

کا اجراء نہ کریں۔ ۱۷

شیخ عبدالنبی کا رب اس پر اتنا تھا کہ ایک روز اس کی سالگرہ کے موقع پر اس کے لباس پر زعفران کا رنگ چھڑک دیا گیا۔ شیخ نے بھڑے دربار میں اس کے چھڑی ماری۔ اسے یہ بات ناگوار گذری۔ دربار میں کچھ نہ بولا لیکن محل میں آکر اپنی ماں سے شکایت کی کہ شیخ خلوت میں منع کرتے۔ تو کچھ حرج نہ تھا۔ عالی طرف ہاں نے کہا۔ بیٹا دل پر میل نہ لا۔ یہ آخری بھجان کا باعث ہے۔ نیامت تک چرچا رہے گا کہ ایک مفسوک الحال ملانے یا در شاہ کے ساتھ یہ حرکت کی اور اس سعادت مند بادشاہ نے اس کو برداشت کیا۔ مگر بعض مقرران نے اکبر کو شیخ کی مذہبی سختی کے خلاف اکھارا۔ ان میں فیضی اور ابوالفضل پیش پیش تھے۔ ۱۸

کچھ دنوں کے بعد شیخ عبدالنبی نے اکبر کی عقیدت جاتی رہی۔ اس کے نئی اسباب ہوئے ان میں بقول اصحاب تراجم متقدم ادا لے برہمن کے قتل کا واقعہ بہت ہی اہم ہے۔ جیسے شیخ صاحب نے اکبر سے بار بار استفسار اور اس کی طرف سے گول مول جواب ملنے کے بعد شتم نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور توہین اسلام کے جرم میں قتل کرادیا تھا۔ اس کے بعد ہی شیخ مبارک ناگوری نے وہ محضر تیار کیا کہ جسکی رو سے بادشاہ وقت امام عادل اور مجتہد زمانہ ہوتا ہے وہ شرعی اور ملکی فیصلوں میں ملاؤں کا محتاج نہیں ہوتا۔ اس سیلاب بلاخیز میں اپنے وقت کے مایہ ناز

(۱) مآثر الکرام ۲/۵۶۰

(۲) مآثر الامراء ۲/۵۶۱

اہل علم بھی بہہ گئے۔ اس محضر پر دستخط کرنے والی چند ہستیوں میں صدر الصدور شیخ عبدالباقی اور مخدوم الملک ملا عبد اللہ سلطان پوری بھی تھے۔

جب اکبر کو معلوم ہوا کہ ان دونوں نے عوام میں یہ مشہور کرا رکھا ہے کہ ان سے محضر پر زبردستی دستخط لئے گئے ہیں تو اس نے ستر ہزار روپے دیکر ان دونوں کو حج کے لئے مکہ معظمہ روانہ کر دیا۔ یہ دونوں بزرگ جو آپس میں حریف تھے اب رفیق بن کر بحالت مجبوری حج کے لئے چلے گئے۔ اس کے بعد ہی اکبر کی مذہبی بدعتیں عروج پر پہنچ گئیں۔ دراصل اکبر ان حضرات کے اثر، قوت اور عوام الناس میں ان کی پکڑ سے سہما، خوفزدہ اور پریشان تھا۔ اور وہ ان کی موجودگی میں کھل کر اپنے عقائد و خیالات اور نظریات کی ترویج نہیں کر سکتا تھا۔ لہذا الفیں ملک بدر کرنا ضروری سمجھا۔ لیکن یہ دونوں اکبر کی مرضی کے خلاف ہندوستان واپس آ گئے۔ مخدوم الملک تو ڈر سے ہی احمد آباد گجرات میں وفات پا گئے۔ مگر شیخ عبدالباقی کا انجام بہت برا ہوا۔ محل کی بیگمات نے ان کے لئے اکبر سے سفارش بھی کی۔ لیکن دشمنوں نے اس کا دل صاف نہیں ہونے دیا۔ ملا عبد القادر لکھتے ہیں۔

”ایک روز شیخ عبدالباقی فتح پور پہنچ گئے اور اکبر کو خوب برا بھلا کہا۔ اس کو بھی غصہ آ گیا۔ اس نے ان کے منہ پر پوری قوت سے ایک گھونسہ مارا۔ انھوں نے کہا ایک بار ہی پھیری سے کیوں نہیں ماردیتے۔ بادشاہ نے ان کو راجہ ٹوڈ رمل کے حوالہ کر دیا۔ بالآخر قید میں ۹۹۲ھ تک رہے۔ شیخ کی وفات ہو گئی۔ بدایونی



نے تاریخ وفات شیخ کبنی کہی ہے یہ

”گرچہ شیخ کالبنی گفتند، کالبنی نیست، شیخ ماکبنی است“<sup>(۱)</sup>

یدالونی کا غصہ اب بھی ختم نہ ہوا۔ شیخ کبنی تاریخ وفات لکھی اور کہا  
”بحق واصل شد“ بقول آزاد ”کلب، کلب“ اور بحق واصل شد کے لفظ کو دیکھو  
کہ اس میں لیا کام کر گئے ہیں چاہویہ سمجھ لو کہ ذات حق کے ساتھ واصل ہو گئے  
چاہویہ کہو کہ امر حق کو پہنچ گئے۔<sup>(۲)</sup>

### علمی مقام

شیخ عبدالبنی نے اپنے وقت میں علم حدیث کی خوب ترویج  
واشاعت کی۔ وہ منقولات کے بکریاں تھے۔ لیکن ملا عبدالقادر ان کی علمیت  
کے معترف نہیں ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ”ان کو محدث، حافظ اور امام ہونے کا ہڑا  
دعویٰ تھا۔ لیکن ان کی قابلیت کا یہ حال تھا کہ ”الحزم، سوء ظن جب بھی سناتے  
تو ہمیشہ ”الحزم“ کو الحزم (ح کے بجائے خ اور ز کے بجائے ہ) پڑھا کرتے تھے۔  
مدتوں ان کو اپنی اس غلطی کا احساس نہ ہوا۔ جب بادشاہ ان سے برگشتہ خاطر ہو  
گیا تو مرزا عزیز کو کہ نے بادشاہ کو بتایا کہ علم حدیث میں ان کی قابلیت کا یہ حال  
تھا جس پر وہ ناز کیا کرتے تھے۔“<sup>(۳)</sup>

ملا عبدالقادر کی اس تنقید کے باوجود وہ اپنے زمانے کے علماء

(۱) منتخب التواریخ ۲/۳۱۲

(۲) رد کوثر / ۱۰۴

(۳) منتخب التواریخ ۲/۲۰۶

میں ممتاز تھے۔ بدایونی کے علاوہ دیگر تذکرہ نویسوں نے شیخ کی علمیت کا نہ صرف اعتراف کیا ہے بلکہ ان کی احیاء سنت کی کوششوں کو سراہا بھی ہے۔ مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کے شاگرد اور خلیفہ جہیں سترہ سال مرشد کی خدمت میں رہنا نصیب ہوا سنوات الالتقاء (قلمی) میں شیخ عبد النبیؒ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”شیخ عبد النبی بن شیخ احمد حنفی رضی اللہ عنہ عالم و محدث بود، تسرع بر کمال داشت و در اتباع سنت و رفع بدعت رسوخ تمام نصیب وقت او شدہ بود و در امر معروف و نہی منکر بر سلاطین و امرائے شدت کردے، صاحب تصانیف شریفہ است از انجملہ وظائف النبی است در سنہ ہنصد و نود و یک در عہد عرش آشیانی شہادت یافت و صاحب فیض گفت سالتش عقل“

اخبار الاصفیاء (قلمی) میں جو ابو الفضل کے بھانجے عبد الصمد نے اسی زمانہ میں لکھی اسی طرح کا اظہار خیال کیا ہے۔ شیخ عبد النبی بن شیخ احمد بن شیخ عبد القدر حسن چشتیؒ گنگوہی، عنوان صحیفہ دین و دانش و فہرست جریۃ علم و عمل بود در عنفوان برنائی۔۔۔ بحرین شریفین شتافت و حدیث درال خیر البقاء نزد شیخ ابن حجر استماع نمودہ بوطن گاہ خرامید و کبر در رواج ارکان شریعت غرابر بستہ آرامگاہ فتح پور۔ کتاب سنن الہدایۃ از ویادگار است“ دوسرے محاصرانہ تذکروں میں بھی (شلا مرآۃ العالم) میں سوائے ان کے حیفوں نے طبقات شاہجہانی کی طرح بدایونی پر انحصار کیا ہے۔ شیخ عبد النبیؒ بلکہ مخدوم الملک کا ذکر

## تصنيفات

”وظائف النبي صلى الله عليه وسلم في الاعية الماثورة“ كمايك قلمي نسخي دارالمنضفين

(٢) نزهة الخواطر ج ٢ / ٢٣ - ٢١٩

اعظم نردۃ<sup>(۱)</sup> میں موجود ہے۔

### سنن الہدیٰ فی متابعة المصطفیٰ

حدیثی ادب میں شیخ کا شاندار اور عظیم الشان کارنامہ ہے۔ جو انہیں علم و ادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و جاوید رکھے گا۔ مصنف کو فن پر مکمل عبور حاصل ہے۔ معاشرت اور معیشت کا پورا خاکہ ان کے ذہن میں موجود ہے۔ اس میں بے شمار ابواب و فصول قائم کر کے انہوں نے حیات انسانی کے لئے رسول ارم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بطور لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

ان کا یہ کارنامہ چار سال کی سخت کاوش کا ثمرہ ہے جو ایک مقدمہ، تین قسموں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ بے شمار اور متنوع مسائل اور ابواب سے یہ کتاب بحث کرتی ہے۔ اس میں نہایت ہی ماہرانہ انداز سے بنی ارم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور اسلامی اخلاق و آداب کا احاطہ کیا ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں ”سنن الہدیٰ فی متابعة المصطفیٰ“ کا ایک قلمی نسخہ اچھی حالت میں موجود ہے۔ کل اوراق ۳۵۵ ہیں۔ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ میں محمد آصف ٹٹراہی نے اپنے بیٹے محمد نذیر کے لئے اسکی کتابت کی تھی۔ نمونہ عبارت یہ ہے۔  
”فشرعت وجاہ الکعبة المبارکة المحرمة المزادة للہ شرفا و تعظیما فی تالیف هذا المختصر المحسی لبسن الہدیٰ فی متابعة المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بالکیال الاوفی والغایة القصوی وانتخابہ فی کتب الاحادیث الصحیحة المعتمدة المتداولۃ للصیحین والمشکاة والجامع الصغیر والشفاف فی حقوق المصطفیٰ

والاذكار النبوى وعمل اليوم والليل للشيخ جلال الدين (جلال الدين) السيوطى و  
 المقاصد الحسنة . . . . . وقد شيركت فى أكثر فصوله بذكر الآيات الكريمة وإيراد  
 تفسيرها فى البيضادى والمدارك والكشاف وأوردت فى بعض الفصول الفروع  
 الفقهية وفى بعضها أقوال الصوفية تنمية للمراد وتكميلا للمفاد وحذفت الأسانيد  
 وانتساب الكتب المختبىة عنها وما لا يجازو الاختصار وتسهيلا للضبط<sup>(١)</sup>

---

(١) عربى زبان وادب عهد مغلّیه، ص ۱۰۰-۹۹

## امیر فتح اللہ شیرازی ( ۱۹۹۷ء )

فتح اللہ بن شکر اللہ، شیعہ، شیرازی، علوم حکمت، ہیئت، ہندسہ نجوم، رمل طلسمات، شیرنجات، الہیات، طبیعیات، ریاضیات اور جراثیقات میں۔  
 یگانہ آفاق تھے۔ شیراز میں ولادت ہوئی۔ نشوونما بھی یہیں ہوئی۔ علامہ جلال الدین محمود، مولانا کمال الدین شہروانی، مولانا کرد اور میر غیاث الدین منصور شیرازی سے علوم متداولہ اور فنون رسمہ حاصل کئے۔ عربی ادب، حدیث، تفسیر اور فقہ میں مسادیا نہ حیثیت رکھتے تھے۔ موصوفی علمی شہرت سن کر والی بیجا پور علی عادل شاہ نے ہندوستان بلالیا۔ علی عادل شاہ کے قتل کے بعد ان کا ابراہیم عادل شاہ سے نباہ نہ ہو سکا اور ۹۹۰ھ یا ۹۹۱ھ میں آگرہ دربار اکبری میں پہنچے۔ اکبر نے انہیں ”امین الملک“ اور ”عضد الدولہ“ کا خطاب دیا۔ اور وزارت میں راجہ ٹوڈرمل کا شریک کار بنایا۔<sup>(۱)</sup>

ملا عبد القادر منتخب التواریخ میں ان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

”شیراز کے سادات میں سے تھے۔ اپنے زمانے کے اعلم العلماء تھے مدتوں فارس کے حکام اور اکابر کے مقتدر رہے۔ تمام علوم عقلی مثلاً حکمت، ہیئت، ہندسہ نجوم، رمل، حساب، طلسمات، شیرنجات، جراثیقات وغیرہ الہی طرح جانتے تھے اس میں ایسی مہارت تھی کہ اگر بادشاہ توجہ دیتا تو وہ رصدگاہ تیار کر دیتے۔

(۱) نزہۃ الخواطر ۲/۲۵۲، تذکرہ علماء ہند ۲۷۲، بزم تیموریہ ۹۷-۳۹۴

ان کی بڑی اپنی تصانیف ہیں ..... میر فتح اللہ مجلسوں میں نہایت خلیق، متواضع اور نیک نفس تھے لیکن خدا کی پناہ جس وقت پڑھاتے تھے تو اپنے شاگردوں کو کالیاں دیتے۔<sup>(۱)</sup>

مآثر الامرا کے مولف کا بیان ہے کہ ”انہوں نے ایک چکی بنائی جو بغیر حرکت کے خود بخود چلتی تھی۔ ایک آئینہ بنایا جس میں قریب و دور کے فرق سے مختلف اور عجیب و غریب شکلیں بن جاتی تھیں۔ اور ایک بندوق جو ایک ساتھ بارہ آوازیں کرتی تھی۔“<sup>(۲)</sup>

در حقیقت ملا شیروازی اپنے وقت کے سائنس دان تھے جنہوں نے نت نئی چیزیں ایجاد کیں۔

طبقات الکبریٰ کے مولف نظام الدین نجفی تحریر کرتے ہیں۔  
 ”دانشمند متبحر بود در فنون علم عقلی و نقلی از علمائے خراسان و عراق و ہندوستان امتیاز داشت و در زمان خود در کل مرصعہ عالم مثیل و فرین خود نداشت و در علوم غریبہ از شیر منجات و طلسمات نیز بہرہ مند بود“<sup>(۳)</sup>  
 غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں۔

”میر فتح اللہ ہی وہ عالم ہیں جنہوں نے متاخرین - محقق دوانی، صدر الدین

(۱) منتخب التواریخ ۳/ ۵۵-۱۵۴

(۲) مآثر الامرا ۱/ ۱۰۴

(۳) طبقات الکبریٰ ۳/ ۴۵۷

شیرازی، غیاث الدین منصور اور مرزا جان۔ کی معقولات کو ہندوستانی حلقہٴ درس میں نہ صرف متعارف کرایا بلکہ ان کو مقبول عام بنایا۔<sup>(۱)</sup>

ان کی تصنیفات میں منہج الصادقین (فارسی) قرآن کریم کی تفسیر مکملہ حاشیہ دوانی برتھذیب المنطق، حاشیہ علی تلک الحاشیہ اور تاریخ الفی اسم ہیں۔<sup>(۲)</sup>

۹۹۷ھ/۱۵۸۶ء میں بمقام کشمیر وفات پائی اور تخت سلیمان میں

مدفون ہوئے۔

---

(۱) مآثر الکرام ۱/۲۳۸

(۲) نزہۃ الخواطر ۲/۲۵۵



## مولانا سید عبدالاول جو نیوری (م ۱۹۹۸ء)

مولانا سید عبدالاول جو نیوری، سید ابوالفتح کے معاصر تھے۔ ان کے والد جو نیور کے قصبہ زید پور کے رہنے والے تھے۔ وہ یہاں سے دکن چلے گئے۔ وہیں سید عبدالاول کی پیدائش ہوئی۔ گجرات اور پھر عرب پہنچ کر علم حدیث حاصل کیا اور سب سے پہلے ہندوستان میں بخاری کی شرح ”فیض الباری“ لکھی اور فیروز آبادی کی ”سفر السعادة“ کا خلاصہ بھی کیا۔ ۱۹۹۸ء کو مدلی میں انتقال فرمایا۔

ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

فیض الباری شرح صحیح بخاری، رسالہ منظومۃ فی الموارث، شرح  
لبیٰ علی تلمذ الموارث المنظومۃ، رسالہ فی تحقیق النفس، تلخیص سفر السعادة،  
تعلیقات علی الفتوحات المکیة، تعلیقات علی المطول<sup>(۱)</sup>۔

---

(۱) نثرۃ الخواطر ۱/۱۴۷، الوارثون فیاق ۵/۵، تذکرہ علماء ہند ۳۳۸

## میاں حاتم سنبھلی

میاں حاتم سنبھلی مشہور فلسفی عزیز اللہ تلمیذی کے شاگرد تھے۔ اپنے دور کے بے مثال عالم تھے۔ علوم دینی نیز علوم عقلیہ - فلسفہ و کلام میں ان کا کوئی ثنائی نہیں تھا۔ مشہور ہے کہ انہوں نے شرح مفتاح اور مطول کا درس بسم اللہ کی باء سے تحت کی تاء تک چالیس مرتبہ ختم کیا تھا۔ فقہ میں امام اعظم ثنائی کہلاتے تھے۔<sup>(۱)</sup>

## شیخ یعقوب عرفی کشمیری ! (۹۰۸-۱۰۰۳ھ)

اپنے وقت کے مشہور ادیب، محدث، فقیہ، جامع علوم ظاہری و باطنی اور صاحب تصانیف عالم تھے۔ آپ کے والد کا نام شیخ حسن کنانی عاصمی تھا۔ کشمیر میں ۹۰۸ھ کو پیدا ہوئے۔ صغیر ہی میں قرآن شریف حفظ کر لیا مولانا محمد آنی شاگرد مولانا عبدالرحمن جامی سے علوم متداولہ اور فنون رسمہ حاصل کئے حضرت آخوند ملا بصیر سے بھی استفادہ کیا۔ بعد ازاں آپ سمرقند تشریف لے گئے۔ جہاں شیخ حسین خوارزمی کی خدمت میں رہ کر فرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور اپنے وطن واپس آ کر تدریس اور ارشاد و ہدایت میں مشغول ہو گئے۔ پھر کچھ مدت بعد کشمیر سے سمرقند اور وہاں سے اپنے مرشد کی معیت میں حسین شریفین کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ مکہ معظمہ میں شیخ المحدثین ابن حجر مکی وغیرہ سے حدیث کی سند حاصل کی۔ واپس آ کر پھر دیرینہ فرائض انجام دینے لگے۔ آپ کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔

”تفسیر قرآن نامکمل، شرح صحیح بخاری، مغازی النبوت، حاشیہ توضیح و تلویح، مسلک الاخیار، کتاب مناسک حج، روائح، وامق و عذرا رسالہ اذکار، لیلیٰ مجنوں، مقامات مرشد، جواہر خمہ مقابل خمہ جامی، شرح رباعیات وغیرہ۔ بروز جمعرات بعد نماز عشاء ۱۲ رذی قعدہ ۱۰۰۳ھ

کو آپ کی وفات ہوئی۔“

آپ نے فیضی کی غیر منقوہ تفسیر سوا طع الالہام پیرائیک عالمانہ تقریظ بھی لکھی تھی۔ بطور نمونہ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

”سبحان من اصطفی خواص عبادہ بتعلیم الاسرار المکونۃ فی تنزیلہ

الحکیم والاطلاع علی اللطائف المستودعۃ فی کلامہ القدیم، واغتص بعرض الکمل بالاعتدال علی ابراز الخوارق النطقیۃ الّتی ہی علی تلو الاعجاز ولعری انہ لم یقدر ابدا احد من اساطین الکلام علی ذلک الابرار، وهو تفسیر الکلام المجید و تاویل الفرقان الحمید المرسوم ببدائع الارقام والموسوم بسبوا طع الالہام ما مست مثله ایدی الافکار ولم یتحمل تبطیرہ اعیین الاحتجاب والاعصار اقوی التفاسیر ہاذا فابلغها بیا ناً من اولہ الی آخرہ متحلی بعبارات لیس فیہا شئی من الحروف المنقطۃ وقد قالت السادات الحروف حروف لیست بالنقاط معلّمہ ومصنوطۃ۔ شعر

یا صیدا الحرف الذی هو صامت اختارہ اشراق اهل الملة  
قد قیل للحرف الذی ذو نقطۃ جسم علیل مکتوی للعلۃ<sup>(۲)</sup>

(۱) حقائق الحنفیہ / ۹۵-۳۹۶

(۲) سوا طع الالہام / ۳۹

## باب دوم

جہانگیری عہد

شہنشاہ اکبر کے انتقال کے بعد ۱۰۱۳ھ/۱۶۰۵ء میں اسکا بیٹا نور الدین سلیم تخت سلطنت پر بیٹھا جو جہانگیر کے نام سے مشہور ہے۔ قدرت نے اسے بہتر استعداد اور عمدہ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں۔ وہ جس طرح اپنے ذاتی حقوق، منافع اور عیش و عشرت کی حفاظت چاہتا تھا اسی طرح وہ رعایا کے راحت و آرام اور آسودگی کا بھی خواہ تھا۔<sup>(۱)</sup> اس کا کہنا تھا کہ ”جب تک بادشاہ کی نیت بخیر ہو رعایا خوش حال رہتی ہے۔“ نیز یہ بھی اس کا مقولہ ہے کہ ”بادشاہ<sup>(۲)</sup> پر فرض ہے کہ وہ جنگل کے درندوں، چرندوں اور پیرندوں تک کی حفاظت کرے۔“ انسداد ظلم اور قیام عدل کے لئے جہانگیر ہمہ وقت کوشاں رہتا۔ اس غرض سے اس نے ایک طلائی زنجیر بنوائی جس کا ایک کنارہ قلعہ آگرہ کے شاہ برج پر تھا اور دوسرا سرالنگا کے دوسرے کنارے پر، پتھر کا ایک ستون نصب کر کے اسپر آویزاں کیا گیا تھا تاکہ عدالت اگر کسی مظلوم کو انصاف دلانے میں سستی یا کوتاہی کرے تو وہ اس زنجیر کے ذریعہ براہ راست بادشاہ کو آگاہ کر سکے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) تاریخ ہندوستان ج ۲/۲۷۰

(۲) توذک جہانگیری/۲۵۲

(۳) تاریخ ہندوستان ج ۴/۴۶۶

(۴) توذک جہانگیری/۵

جہانگیر نے بہت سے اصلاحی احکام بھی جاری کرائے مثلاً خواجہ سرا بنانے اور بیچنے کو ممنوع قرار دیا۔ اسی طرح بچوں والی عورتوں کی سستی کو موقوف کرایا۔<sup>(۱)</sup>

۱۰۲۰ھ/ ۱۶۱۱ء میں جہانگیر نے نور جہاں سے شادی کی۔ وہ عیث الدین کی بیٹی تھی جو تاریخ میں اعتماد الدولہ کے نام سے مشہور ہے۔<sup>(۲)</sup> نور جہاں نہایت حسین اور عقلمند عورت تھی۔ ملبوسات میں نئے فیشن رکالے۔ گلاب کا عطر سب سے پہلے اسی نے کھینچوایا۔ اور چاندنی کا فرش بھی پہلے اسی نے بچھوایا۔<sup>(۳)</sup> وہ ایک سنجیدہ اور رحم دل خاتون تھی اس کے رحم و کرم اور دست فیض سے ہزاروں بے کس اور نادار عورتیں فیضیاب ہوئیں۔ سینکڑوں غریب لڑکیوں کے نکاح اور جہیز وغیرہ کا انتظام اس کے خزانہ خاص سے ہوا۔ ان سب کے باوجود وہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے کسی بھی طرح کا حربہ استعمال کرنے سے گریز نہیں کرتی۔ چنانچہ جہانگیر کی جانشینی کے لئے شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کے مقابلہ میں اپنے داماد شہریار کو لے آتی ہے۔ نتیجہً ایک فتنہ برپا ہو گیا۔ پھر بھی نور جہاں کو اپنے مقصد میں کامیابی نہ مل سکی۔ خرم یہ وہی شہزادہ ہے جو نور جہاں کے حرم میں آنے سے پہلے جہانگیر کو اس قدر عزیز اور اپنے کارناموں سے اسکی نظروں میں یہاں تک پسند ہے کہ وہ اسے شاہ جہاں کا خطاب دیتا ہے اور اتنی دعائیں دیتا ہے کہ وہ سب قبول ہو جائیں تو

(۱) تاریخ ہندوستان ۴/۲۶۶

(۲) دائرۃ معارف اسلامیہ بذیل مادہ جہانگیر / ۵۴۹

(۳) مختصر تاریخ ہند / ۱۵۰

سلطنت کی بہرہ مندی اور آخرت کی کامیابی کے لئے کافی ہیں۔<sup>(۱)</sup> پھر کیا وجہ ہے کہ اب شہر یارنی قدر دانی میں اضافہ ہونے لگتا ہے؟ اور شاہجہاں وجہ انگیر کے درمیان دوری اور کشیدگی بڑھنے لگتی ہے؟ یہاں تک کہ دونوں آپس میں برسریکا نظر آتے ہیں۔

نورجہاں کے حسن اور فہم و فراست کی وجہ سے جہاں انگیر کو اس سے بے حد عشق تھا۔ وہ تمام اہم معاملات میں اس سے مشورہ لیتا۔ طلائی سکوں پر اپنے نام کے ساتھ اس کا نام بھی کندہ کرایا۔ آہستہ آہستہ وہ تمام اقتدار پر حاوی ہو گئی۔ اس نے دربار کے آداب مقرر کئے۔ جہاں انگیر جب سخت بیمار ہوا تو امور سلطنت کا نظم و نسق کلی طور پر اسی کے ہاتھ میں رہا۔

جہاں انگیر کا زمانہ زیادہ تر امن و چین سے گذرا۔ اس کا عہد حکومت رعایا کے لئے امن و خوشحالی کا پیام لایا۔ صنعت و تجارت کو فروغ ملا۔ فن تعمیر، مصوری اور ادب میں ترقی ہوئی۔ نیز سیاسی استحکام اور استقلال میں اضافہ ہوا۔ میواڑ کے راجہ اور احمد نگر کی سلطنت سے اس کے جھگڑے ختم ہو گئے۔ لیکن ایرانیوں نے جب قندھار کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا تو تجارتی اور دفاعی لحاظ سے حکومت کو زبردست نقصان پہونچا۔ جہاں انگیر کو اپنے بیٹے خسرو اور شاہ جہاں کی بغاوتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اسی طرح پرتگالی تاجروں نے سمندری راہزنی اور ہندوستانی جہازوں پر حملے کئے حتیٰ کہ مغل حکومت کے بھی ایک جہاز پر حملہ کر دیا تو اس سے جہاں انگیر کے لئے پریشانی پیدا ہو گئی۔ یگر اس نے ان سب پر قابو پا لیا۔



جہانگیر ایک اچھا پڑھا لکھا بادشاہ، ادب و فن کا سرپرست اور انسان شناس تھا۔ وہ نہایت شائستہ، نیرک، نرم دل، کریم النفس اور انصاف کا شیدائی تھا۔ وہ ہندوستانی بادشاہوں میں سب سے زیادہ خوش مذاق تھا۔ فطری چیزوں سے اسے بے انتہا لگاؤ تھا۔ مختلف قسم کے جانور اور عجیب و غریب چیزیں جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ وہ جن خطوں میں گیا وہاں کے حیوانات نباتات اور مناظر فطرت وغیرہ کو اس نے اپنی توڑک میں تفصیل کے ساتھ لکھ لیے جہانگیر نے توڑک میں اپنے روزانہ کے حالات جمع کئے ہیں۔ اس نے اپنی مٹے نوشی اور افیون خوری کی عادت کو بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔ وہ کہتا تھا کہ شراب نوشی درست نہیں مگر جس قدر مفید ہو اس میں مضائقہ بھی نہیں۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے بیٹے خرم (شاہ جہاں) کو بھی اس کے جشن وزن کے دن ترغیب دے کر پلاٹی اور حدود اعتدال میں رہتے ہوئے جشنوں اور بڑی تقاریب میں پینے کی اجازت دی۔

جہاںگیر کے دل میں مذہب اسلام کا کافی احترام تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی ذات کے لئے ”نیا ز مندان در گاہ الہی“ لکھتا ہے<sup>(۱)</sup>۔ وہ شب جمعہ عبادت اور اہل علم و اصحاب معرفت کی صحبت میں بسر کرتا۔<sup>(۲)</sup> اس نے عہد انگریز کے بیشتر قواعد جو شرع اور اسلام کے خلاف تھے، موقوف کر دیئے۔ اس میں جہاں اسکی مذہب پسندی کو دخل تھا وہیں شیخ فرید بخاری اور دیگر مسلمان امراء کے

(۱) توڑک / ۱۰۵

(۲) نفس مصدر / ۱۰۰

ساقہ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کی کوششیں بھی زبردست اثر انداز ہوئیں جن کے تعاون سے وہ اپنے بھائی شہزادہ خسرو کے مقابلہ میں اکبر کا جانشین بنا تھا۔ انھوں نے نہ صرف جہانگیر کی تخت نشینی کا انتظام کیا بلکہ نئے بادشاہ سے اس بات کا بھی وعدہ لیا کہ وہ قوانین اسلام کا احترام کرے گا۔<sup>(۱)</sup> دربار اکبری میں باجماعت نماز ممنوع تھی مگر اس نے دیوان خاص اور دیوان عام میں نماز کے لئے جانا زیں ڈلوائیں۔<sup>(۲)</sup> منصف اور قاضی کوز میں یوسی کی تعظیم سے مستثنیٰ قرار دیا۔ علاوہ ازیں جہانگیر نے توزک میں اپنی مذہبی غیرت و حمیت اور جوش و فرط کے واقعات تحریر کئے ہیں۔ جو اس کی اسلامی عقیدت پر واضح ثبوت ہیں۔ مذہب پسندی کے باوجود وہ اکبری آئین و عقائد سے بھی متاثر نظر آتا ہے۔ مثلاً نجومیوں پر اعتقاد تاروں کو نور الہی کا مظہر قرار دینا اور آفتاب کی تعظیم کرنا وغیرہ<sup>(۳)</sup>

علمی و ادبی تاریخ میں جہانگیری خدمات بڑی پیرکشش اور تابناک نظر آتی ہیں۔ علوم و فنون کی سرپرستی میں اپنے پیشرو سلاطین ہند کی طرح اس نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ چنانچہ درباری شاعر نظیر نیشاپوری نے جہانگیر کی شان میں قصیدہ کہا تو اس کے صلہ میں اس کو ایک ہزار روپے، خلعت اور گھوڑا دیا۔ علاوہ ازیں اسی شاعر نے جب شاہی عمارت کے لئے ایک کتبہ لکھا تو بطور انعام اس کو تین ہزار بیگھے زمین عطائی۔<sup>(۴)</sup> حلیم عارف ایلی کو پانچ سو بیگھے زمین مرحمت کی۔

(۱) رود کوثر / ۱۴۰

(۲) توزک / ۱۰۰

(۳) نفس مصدر / ۲۹، ۱۳۸، ۲۲۹، ۲۳۰

(۴) مآثر الکرام ج ۱ / ۶۲

تاکہ وہ فراغت اور خوشحالی کی زندگی بسر کرتے ہوئے علم و ادب کی خدمت میں لگا رہے۔<sup>(۱)</sup> طالب آملی کو نہ صرف گراں بہا عطایا سے نوازا بلکہ اسکو اپنے دربار کا ملک الشعراء مقرر کیا۔ حیاتی گیلانی نے خسرو شیریں کی کبر میں سلیمان و بلقیس کا قصہ منظوم کر کے پیش کیا تو جہانگیر اس قدر خوش ہوا کہ اسکو سونے میں تلوایا اور وہ سب اسی کو عطا کر دیا۔<sup>(۲)</sup>

جہانگیر نے اپنی توزک میں مختلف جگہ علماء و مشائخ سے عقیدت و احترام کا اظہار کیا ہے۔ ان کے لئے اس نے شاہی خزانے سے وظائف مقرر کئے تاکہ وہ فراغ خاطر کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول رہیں۔ جہانگیر کے بقول وہ جب احمد آباد گیا تو وہاں شیخ اسماعیل بن شیخ محمد غوث سے ملاقات کر کے ان کو خلعت اور پانچ سو روپے دیئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے اہل علم و اصحاب تصوف کو خلعتوں اور جائیروں سے نوازا۔ نیران سب کو اپنے کتب خانہ خاص سے تفسیر کشاف تفسیر حسینی اور روضۃ الاحباب وغیرہ کتابیں نذر کیں۔ اس کے بعد اس نے ایک عام حکم دیا کہ مشائخ کی اولاد کے ساتھ ہر قسم کی رعایتیں کی جائیں۔<sup>(۳)</sup> اس وقت کے بلند پایہ عالم اور جلیل القدر محدث شیخ عبدالحق کو بھی اس نے مراحم خسروانہ سے فیض یاب کیا۔<sup>(۴)</sup>

(۱) میخانہ / ۲۷-۲۸۰

(۲) نفس مصدر / ۵۳۶

(۳) توزک جہانگیری / ۲۲۳

(۴) نفس مصدر / ۲۸۲

جہانگیر اور اس کے امراء و حکام کی سرپرستی کی وجہ سے مدارس کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ جہانگیری دور میں علم پیروی کے میدان میں جو ارتقاء ہوا اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عام مروجہ مدارس کی نصرت و حمایت کے علاوہ اس نے اپنے عاملوں اور امیروں کو یہ عام حکم دے رکھا تھا کہ اس کی مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا تاجر کسی جانشین یا وارث کے بغیر فوت ہو جائے تو اس کی تمام جائداد و اخلاک کو حکومت کی ملکیت سمجھا جائے جسے مدرسوں، خانقاہوں، سراؤں، مساجد یا پل وغیرہ کی تعمیر و ترقی پر صرف کیا جائے۔

جہانگیر کا دور حکومت تو اگرچہ مختصر ہے مگر اس مدت میں اس نے علم و ادب کے فروغ کے لئے جو کوششیں کیں وہ لائق اعتنا اور قابل ستائش ہیں۔ اس کے عہد میں علماء و مشائخ نے عربی زبان کے علمی سرمایہ میں جو اضافہ کیا۔ آئندہ صفحات میں اس پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

## حضرت مجدد الف ثانی ( ۱۰۳۲ - ۱۰۹۷ )

شیخ احمد بن شیخ عبد الاحد بن شیخ زین العابدین - عربی و فارسی کے بلند پایہ ادیب، علوم اسلامیہ کے محقق عالم، عظمت صحابہ کے امین و محافظ، ارباب تصوف و اصحاب علم کے مصلح، شریعت و طریقت کے پاسبان، الکبریٰ الحاد کے خاتم اور شریعت اسلامیہ کو ملک میں دوبارہ نفاذ دلانے والے عظیم المرتبت اور بے مثال مجاہد تھے۔ آپ کو بدعت سے شدید نفرت اور سنت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قلبی لگاؤ تھا۔ حضرت شیخ احمد کی پیدائش ۱۰۳۲ شوال ۹۷۱ھ میں شب جمعہ کے نصف آخر میں سرہند کے مقام پیر پوٹی - اٹھائیس واسطوں سے آپ کا نسب امیر المومنین خلیفہ دوم سیدنا حضرت عمر فاروقؓ تک پہنچتا ہے۔ اپنے اس نسب پر خود حضرت کو بھی ناز تھا جیسا کہ دینی حجت کے مواقع پر مکتوبات میں آپ نے اس طرح کے جملے تحریر فرمائے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

آپ کے اجداد افغان تان کے باشندے تھے حضرت کی چودھویں پشت میں ایک بزرگ شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابل کے ممتاز امیر تھے۔ انھوں نے اپنی آخری عمر میں فقر اختیار کر لیا تھا۔ سلسلہ چشتیہ میں بیعت کی۔ کابل کے لوہستانی علاقہ میں سکونت پذیر ہو کر رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے اور اسی جگہ وفات پائی۔ یہ جگہ اب درۃ فرخ شاہ کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ شہاب الدین ہی کی

(۱) مکتوبات دفتر اول حصہ دوم مکتوب نمبر ۱۱ نیز مکتوبات دفتر دوم حصہ ششم مکتوب نمبر ۱۵

نسل سے ایک بزرگ شیخ امام رفیع الدین جو حضرت شیخ احمد سرہندی کی طرف سے پانچویں پشت میں ہیں۔ وہ جہانیاں جہاں گشت شیخ حلال الدین بخاری کے سرید تھے۔ حضرت شیخ بخاری ہندوستان کی سیاحت کے لئے تشریف لائے تو شیخ امام رفیع الدین بھی ان کے ساتھ تھے۔ مرشد نے یہیں اقامت کا حکم دیا۔ اس لئے انھوں نے سرہند میں سکونت اختیار کر لی جو اب سرہند کے نام سے مشہور ہے۔<sup>(۱)</sup>

حضرت شیخ احمد سرہندی کی کنیت ابو البرکات، لقب بدر الدین اور مجدد الف ثانی سے مشہور و متعارف ہیں۔ ان کے والد بزرگوار شیخ عبد الاحد کا شمار اپنے وقت کے اکابر صوفیہ اور کامیاب مدرسین میں ہوتا ہے۔ وہ شیخ عبد القدوس گنگوہی کے صاحبزادے شیخ رکن الدین سے تربیت و خلافت یافتہ تھے۔ شیخ کمال کیتھلی<sup>(۲)</sup> (۱۵۷۳ء) سے سلسلہ قادریہ میں بیعت و خلافت حاصل کی۔ شیخ الہ داد سے رہتا میں پہنچ کر اور حضرت سید علی قوام سے جو نور جاکر فیوض دبرکات حاصل کئے۔ وہ معقولات و منقولات کی کتابیں تحقیقی ہیج پر پڑھاتے تھے۔ فقہ و اصول فقہ میں انھیں خاص درجہ حاصل تھا۔ وہ اپنے طلبہ کو باطنی علوم سے بھی آراستہ فرماتے تھے۔ حقائق کی معرفت کے لئے عوارف

(۱) زبدۃ المقامات / ۹۱-۸۹

(۲) حضرت شاہ کمال کیتھلی سلسلہ قادریہ کے پیرزادہ اور بڑے کمال بزرگ تھے۔ حضرت امام ربانی فرماتے ہیں کہ سلسلہ قادریہ میں شیخ عبد القادر جیلانی کے بعد شاہ کمال کیتھلی کا مثل نظر نہیں آتا ہے۔ بحوالہ تذکرہ امام ربانی مجدد الف ثانی / ۲۲۴

المعارف اور فصوص الحکم کا درس دیا کرتے تھے۔ محی الدین ابن عربی سے بے حد متاثر تھے۔ ان کے بیان کردہ پیچیدہ معارف کی تشریح کرنے میں بھی آپ کو مہارت تامہ حاصل تھی۔ یا اس ہمت اتباع سنت کا بہت خیال رکھتے تھے۔ طریقت کے دیگر سلسلے سے بھی آپ مستفید ہوئے۔ مگر سلسلہ نقشبندیہ سے آپ کو والہانہ لگاؤ تھا۔ یہی اثرات ان کے صاحبزادہ میں منتقل ہوئے۔

شیخ احمد سرہندی کی تعلیم و تربیت پیران کے والد نے خصوصی توجہ فرمائی۔ بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کر لیا۔ مروجہ علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور اکثر درسی کتابیں اپنے والد ہی سے پڑھیں۔ الفہم سے تصوف کی بعض کتابیں مثلاً تعرف، عوارف المعارف اور فصوص الحکم وغیرہ کا درس لیا۔ کتب حدیث کی سند اور طریقہ کبرویہ کی نسبت مولانا یعقوب صوفی کشمیری سے حاصل کی۔ قصیدہ بردہ کے ساتھ ادب، تفسیر اور حدیث کی کتابیں دراستہ و اجازۃً قاضی بہلول بدخشان سے حاصل کیں۔ آپ کو حدیث مسلسل بالاولیت کی سند بھی حاصل ہے<sup>(۱)</sup>۔ مولانا کمال کشمیری نرمل سیالکوٹ کی شہرت سنی تو حاضر خدمت ہوئے اور معقولات میں ان سے استفادہ کیا اور سرہند واپس آ گئے۔

ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد تدریس کا شغل اختیار فرمایا مگر علم کے شوق میں پھر رخت سفر باندھا۔ رہتاس اور جوینور گئے۔ بعد ازاں اکبر آباد (آڑھ) میں قیام فرمایا۔<sup>(۲)</sup> وہاں درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع

(۱) زبدۃ المقامات / ۱۲۸ و نزہۃ الخواطر ۵ / ۳۴ و تذکرہ امام ربانی / ۲۲۶

(۲) دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ / ۱۲۶

کیا۔ انہیں ایام میں ایک رسالہ اثبات النبوة اور دوسرا امامی شیعوں کی تردید پر فرمایا<sup>(۱)</sup>۔ کچھ مدت کے بعد آپ کے والد بزرگوار اکبر آباد گئے اور آپ کو ہمراہ لے آئے۔ راستہ میں جب تھانیس پہنچے تو وہاں کے ایک رئیس شیخ سلطان کی بیٹی سے آپ کا نکاح پڑھا گیا۔ اس مناکحت سے آپ کو کافی مال ملا<sup>(۲)</sup>۔ سرہند پہنچ کر التزام کے ساتھ والد ماجد کی خدمت میں رہنے لگے۔ چشتیہ اور قادریہ دونوں نسبتیں حاصل کیں۔ طریقہ کبریہ کی نسبت مولانا یعقوب کشمیری سے حاصل کر چکے تھے۔ اب سلسلہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کرنے کی آرزو تھی۔ ۱۰۰۷ھ میں والد صاحب کا انتقال ہو گیا تو آپ حج کے شوق میں گھر سے نکل پڑے اور دہلی پہنچے۔ وہاں ملا حسن کشمیری سے ملاقات ہوئی انہوں نے سیر سبیل تذکرہ خواجہ یاقی باللہ نقشبندی کا ذکر کیا تو آپ کو ان کی زیارت کی تمنا ہوئی۔ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ خواجہ صاحب شفقت و عنایت سے پیش آئے اور کچھ عرصہ قیام کی ترغیب دی آپ نے ڈھائی مہینے قیام فرمایا۔ حضرت خواجہ نقشبندی نے خوش خبری سنائی کہ آپ کو نسبت نقشبندیہ کامل طور پر حاصل ہو گئی۔ دوسری مرتبہ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تو خلعت و خلافت عطا فرمائی اور خاص اصحاب کو تعلیم و تربیت کیلئے سپرد فرمایا۔ تیسری بار پہنچے تو مرشد نے چند قدم چل کر استقبال فرمایا اور بڑی بڑی بشادتیں سنائیں۔ حضرت مجدد کو اعتراف تھا کہ انہوں نے جو تجلیات، ظہورات

(۱) زبدۃ المقامات / ۱۳۲ و نزہۃ الخواطر / ۵ / ۲۲

(۲) حیات مجدد / ۳



الوار اور الوان کی کیفیتیں پائیں وہ حضرت خواجہ باقی باللہ کی صحبت بابرکت کا نتیجہ ہیں<sup>(۱)</sup>۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کی علمی صلاحیت اور باطنی کمالات پر خود ان کے مرشد کو ناز تھا۔ ان ہی کا فرمان ہے کہ وہ آگے چل کر حیران بن کر دنیا کو روشن کریں گے۔<sup>(۲)</sup> چنانچہ ان کی خدمات جلیلہ امت کے سامنے ہیں۔

یہ تمام فیوض و برکات حاصل کر کے سرہند میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری کیا تو حقیقتاً، قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں کے حسن امتزاج سے مجددیہ سلسلہ قائم ہو گیا جس سے ایک بہت بڑا مذہبی اور روحانی انقلاب پیدا ہوا۔ انہوں نے اپنے تجدیدی کارناموں سے اس دور کے مسلمانوں کو ایک نئی زندگی عطا کی۔<sup>(۳)</sup>

اکبر کی دینی بدعات کی وجہ سے اسلام پر ایک ضرب کاری لگی تھی۔ اکبر کے بعد جہاں نگیر تخت نشین ہوا تو آپ نے روز اول ہی سے اسلام کی سر بلندی اور شرعی احکام کے نفاذ کی طرف خصوصی توجہ فرمائی۔ امراء اور حکمران طبقہ کو ان کے فرائض یاد دلائے اور انہیں ترویج شرع اور حمایت دین پر ابھارا۔ شیخ فرید مرتضیٰ خاں بخاری کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

اکبری دور میں ”لکم دینکم ولی دین“ پر عمل ہوتا تو کوئی خرابی پیدا نہ ہوتی یعنی ہندو اور مسلمان دونوں کو اپنے اپنے مذہب پر کار بند ہونے کی اجازت

(۱) مکتوبات ۱/۲۶۶

(۲) زبدۃ المقامات/۱۴۵

(۳) ہزیم تیموریہ ج ۲/۱۲۱

ہوتی لیکن بڑے دکھ کے ساتھ لکھتے ہیں کہ مسلمان احکام اسلام جاری کرنے سے عاجز تھے اور اگر کرتے تو قتل کئے جاتے۔ مسلمان زخمی دلوں کے ساتھ اسلام کی ماتم پرسی کرتے اور دشمن اس پر تسخر اور استہزاء کر کے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے۔ ہدایت کا آفتاب نگرہی کے پردہ میں چھپا ہوا تھا اور حق کا نور باطل کے پردوں میں آگیا تھا۔ پھر جہاں گیر کی تخت نشینی پر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”بادشاہ اسلام کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص دعاء تک پہنچی۔ اہل اسلام کے لئے لازم ہے کہ بادشاہ کے مددگار اور معاون ہوں شریعت کے رواج دینے اور مذہب کو تقویت پہنچانے میں اسکی رہنمائی کریں۔“

اسی طرح جہاں گیری دور کے دیگر امراء مثلاً صدر جہاں، خان اعظم عبدالرحیم خانخاناں اور خواجہ جہاں وغیرہ کو اپنے حلقہ اثر میں شامل کیا اور انہیں دین اسلام کی نصرت و حمایت کے لئے تیار کیا۔ مجدد الف ثانی ان کے ذریعہ جہاں گیر کو شریعت کی پاسداری کرانے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات میں اس امر پر اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا ہے۔

شیخ احمد سرہندی نے امراء کی اصلاح کی بھی پوری کوشش کی۔ ایک مکتوب میں شیخ فرید کو لکھتے ہیں ”سیر وسلوک، تزکیۃ نفس اور تصفیۃ قلب سے مقصود صرف یہ ہے کہ باطنی آفتیں اور دلی امراض دور ہو جائیں تاکہ ایمان کی حقیقت حاصل ہو جائے۔“ (۲)

(۱) مکتوبات ج ۱ مکتوب ۷۷

(۲) مکتوبات ج ۱ مکتوب ۷۷

ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں

”سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ شریعت کو رواج دینے اور اس کے کسی حکم کو زندہ کرنے میں کوشش کی جائے۔ خصوصاً ایسے زمانہ میں جبکہ اسلام کے نشانات مٹ چکے ہوں کڑوروں روپے خدا کی راہ میں خرچ کرنا شریعت کے ایک مسئلہ کو رواج دینے کے برابر نہیں<sup>(۱)</sup>۔“

امرا کی اصلاح کے سلسلہ آپ کے مکتوبات میں صوفیائے خام اور علماء سود کی خامیوں پر بھی تنبیہ کی گئی ہے ایسا تصوف جو شریعت سے ہم آہنگ نہ ہو آپ کے نزدیک اسکی کوئی مقبولیت نہیں۔ صوفیہ کے احوال، مواجید علوم اور معارف کو اسی وقت تک قابل قبول سمجھتے ہیں جب تک کہ یہ عین شریعت کے مطابق ہوں۔<sup>(۲)</sup> آپ کے نزدیک شریعت اور طریقت دونوں ہی ضروری ہیں۔ شریعت کو بہر حال آپ کے یہاں طریقت پر فوقیت حاصل ہے۔ طریقت کو آپ تربیت قرار دیتے ہیں ان کے یہاں شریعت کے بغیر طریقت امر عبث کے سوا کچھ نہیں۔<sup>(۳)</sup>

انہیں علماء کی دنیا سے محبت بہت ناگوار تھی آپ فرماتے ہیں کہ اہل علم کو جاہ، ریاست، مال اور بلندی کی ہوس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ انہیں دنیا میں زائد بن کر رہنا چاہیئے۔ جو عالم دنیا کی محبت میں گرفتار رہتا ہے وہ دین کا چور ہے۔<sup>(۴)</sup> جس طرح مخلوقات کی خلاصی علماء کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح

(۱) مکتوبات ج ۱۔ مکتوب ۷۷

(۲) نفس مصدر۔ مکتوب ۳۶

(۳) نفس مصدر۔ مکتوب ۷۷

(۴) نفس مصدر۔ مکتوب ۳۳

دنیا کا خسارہ بھی ان ہی سے مربوط ہے۔ بہترین علماء دنیا کی بہترین مخلوق ہیں بدترین علماء دنیا کی بدترین مخلوق ہیں۔ تمام دنیا کی ہدایت اور گمراہی ان ہی پر موقوف ہے۔<sup>(۱)</sup>

شیخ احمد سرہندی نے علماء اور صوفیہ کو قریب کرنے میں بھی سعی بلیغ فرمائی۔ وہ صوفیہ اور علماء کے نظریات میں کسی قسم کا اختلاف تسلیم نہیں کرتے۔ آپ کہتے ہیں کہ ان دونوں جماعتوں کے نظریات دو مختلف چیزیں ہیں فرق یہ ہے کہ علماء سب کچھ عقل و استدلال سے حاصل کرتے ہیں اور صوفیہ کشف و الہام سے۔<sup>(۲)</sup>

اس زمانہ میں علماء اور صوفیہ میں وحدۃ الوجود کے مسئلہ پر زبردست اختلاف تھا۔ اہل تصوف وحدت الوجود کے قائل تھے مگر بعض علماء اس نظریہ کو کفر اور زندقہ سے تعبیر کرتے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے دونوں کو ایک دوسرے سے قریب تر کرنے کی کوشش کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ اشیاء کو حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ماننا اور تمام اشیاء کو عین حق بتانا تو واقعی کفر اور زندقہ ہے۔ الفوں نے تصریح کی ہے کہ سالک کو ایک منزل پر محسوس ہوتا ہے کہ وجود ایک ہے۔ اس ذات کے سوا کچھ موجود نہیں لیکن جب وہ اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض وحدت شہود تھی یعنی جو کچھ اس کو ایسا نظر

(۱) مکتوبات ج ۱۔ مکتوب ۵۳

(۲) نفس مصدر۔ مکتوب ۲۸۶

آیا وہ واقع میں ایسا نہیں تھا۔ وجود میں وحدت حقیقہ نہ تھی بلکہ اس کے مشاہدہ میں ایسی وحدت نظر آئی اور جب وہ اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اس کو خالق اور مخلوق کی جداگاہ نہ حقیقتیں نظر آئے لگتی ہیں<sup>(۱)</sup>۔

حضرت مجدد الف ثانی کا یہ کارنامہ یوں بہت اونچا ہے کہ الفوں نے وحدت الوجود کی تشریح وحدت الشہود کے ذریعہ کر کے طبقہ علماء اور جماعت صوفیہ کو قریب تر کر دیا۔ الفوں نے اہل شریعت کو وحدت الوجود کی صحیح تصریح سے مطمئن کر دیا اور اہل طریقت پر علوم شرعیہ کی عظمت واضح فرمائی۔ آپ فرماتے ہیں کہ علوم لدنیہ کی متابعت علوم شرعیہ سے نہیں تو ایسے تمام علوم کا حاصل کرنا الحاد اور بے دینی ہے۔ جو عارف شرعی احکام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتا وہ جاہل ہے۔<sup>(۲)</sup> اسلام کی سر بلندی اور شریعت کی ترویج کے لئے تین طبقوں کا انتخاب کیا ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے اور انہیں ان کے فرائض یاد دلا کر ان کی انجام دہی اور تکمیل کی ترغیب دی۔ حضرت شیخ احمد سرہندی کی اس مخلصانہ کوشش اور دعوت و عزیمت سے اس زمانہ کی مذہبی اور معاشرتی زندگی میں زبردست انقلاب آیا۔

چراغ حق کو بجھانے کے لئے باطل نے کبھی اپنی کوششوں میں کمی نہیں کی۔ آپ کو کبھی مخالفتوں اور مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ بعض امراء کی فتنہ سامانیوں اور شرانگیزیوں سے جہاں گیر آپ سے برگشتہ رہا حتیٰ کہ مشتعل ہو

(۱) بزم تیموریہ ج ۲ / ۱۳۱

(۲) مکتوبات ج ۱۔ مکتوب ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۸، ۴۰، ۴۱

کر گولیاں میں مجبوس کر دیا۔ شیخ سرہندی پر یہ اعتراض تھا کہ انہوں نے اپنے مکتوب میں خلفائے راشدین کے مقام سے گذر کر ان سے بھی عالی تر مقام پر پہنچنے کا دعویٰ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ بادشاہ کی خدمت کے لئے اپنے کسی ادنیٰ خادم کو طلب فرمائیں اور ازراہ مہربانی اس سے کوئی پوشیدہ بات کہیں تو ضروری ہے کہ وہ ادنیٰ خادم امرائے عالی قدر کے مقام کو طے کرے آپ تک پہنچے گا اور پھر وہ خادم واپس اپنے مقام پر ٹکڑا ہوتا ہے۔ اس آمدورفت سے یہ الزام نہیں آتا ہے کہ اس ادنیٰ خادم کا مرتبہ امرائے نامدار سے بلند ہو گیا۔ جب یہ حربہ کار گر نہ ہوا تو کسی دریاری نے کہا کہ یہ شخص مغرور ہے بادشاہ کو سجدہ نہیں کیا چاہیے آپ کو قید میں ڈال دیا گیا۔ شاہ جہاں کو حضرت مجدد سے عقیدت تھی اس نے اطلاع بھیجی کہ آپ بوقت ملاقات بادشاہ کو سجدہ کریں علماء نے اس سلسلہ میں زحمت دی ہے۔ میں ضامن ہوں کہ آپ کو کوئی گزند نہ پہنچے گی۔ آپ نے فرمایا ”سجدہ کی اجازت بصورت مجبوری ہے اور عزیمت یہ ہے کہ سوائے خدائے بزرگ و برتر کے کسی کو سجدہ نہ کیا جائے“<sup>(۱)</sup> آپ کچھ عرصہ قید میں رہے لیکن حضرت مجدد کے لئے قید و بند کا یہ سلسلہ ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا۔ کئی غیر مسلموں نے آپ کے دست مبارک پر اسلام قبول کیا اور کئی مجرموں نے صدق دلی سے توبہ کی۔ کچھ مدت کے بعد جہانگیر نے آپ کی رہائی کا حکم صادر کیا۔ رہائی کے بعد شاہی لشکر کی معیت میں لٹی مہموں میں حصہ لیا۔ پھر جیب ضعف پڑھنے لگا تو سرہند

والپس آگئے۔ جہاں ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ میں آپ کا انتقال ہو گیا اور سرہند ہی میں دفن ہوئے۔<sup>(۱)</sup>

شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کی پوری زندگی اتباع شریعت ، احيائے سنت نبوی اور اقامت دین کی جدوجہد میں گزری۔ ان کا آستانہ اہل مال اور صاحب حال حضرات کا مرکز تھا۔ علماء مشائخ اور امراء کا ایک بہت بڑا طبقہ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جیسے جلیل القدر بزرگ آپ سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ اگرچہ کچھ دنوں انہیں آپ سے اختلاف رہا لیکن جب غلط فہمی دور ہو گئی تو شیخ محدث علیہ الرحمۃ فیضان مجددی سے خوب مستفید ہوئے۔ حضرت محدث دہلوی لکھتے ہیں۔

”مجھ فقیر کو حضرت شیخ احمد سرہندی نے جو صفائی باطن عنایت فرمائی ہے وہ بے حد شمار ہے۔“<sup>(۲)</sup>

شیخ عبدالحق نے آپ کی شان میں پیر شوکت الفاظ استعمال کئے ہیں۔ آپ کو زبدۃ المقربین، قطب الاقطاب، منظر تجلیات الہی قرار دیا ہے۔ آپ کے حالات کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

”دہلی آنے کے بعد تقوڑے ہی دنوں میں آپ کی عالمگیر شہرت ہو گئی۔ آستانہ پیر اصحاب علم و کمال کا مجمع رہنے لگا۔ ترک اور تاجیک امراء حاضر خدمت ہوتے۔ مشائخ وقت آپ کی ارادت میں داخل ہوئے۔ اکابر

(۱) دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ شیخ احمد سرہندی ۱۲۶/

(۲) اخبار الافیاء بذیل عنوان امام ربانی مجدد الف ثانی (تکملہ کتاب)

زمانہ تواضع سے ملتے۔ آپ کی وجہ سے تانبا سونا بنا اور ذرے آفتاب کہلائے<sup>(۱)</sup>

امت کے لئے آپ کی تحریر میں علم و عمل کا خزانہ ہیں۔ ذیل میں مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

## اثبات النبوة

یہ رسالہ عربی زبان میں ہے اور مطبوعہ ہے۔ اکبری الحاد نے جب شدت اختیار کی۔ اسلام اور احکام اسلام کا مضحکہ اڑایا جانے لگا۔ نبوت و رسالت کے عقیدہ کو نجات کا دار و مدار اور ختم رسالت کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ اختصاص ماننے سے انکار کیا جانے لگا تو آپ نے اثبات النبوت کے نام سے یہ رسالہ تحریر کیا۔ اس میں معنی نبوت، ضرورت نبوت، منکرین نبوت کے اعتراضات اور ان کے جوابات، معنی معجزہ، شرائط معجزہ، اعجاز قرآن اور خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کو دلائل و براہین سے آراستہ کر کے پیش کیا ہے۔ جالینوس، امام رازی، امام غزالی، جاحظ اور نظامی معتزلی وغیرہ کے اقوال بطور خاص استدلال میں پیش کئے ہیں۔ کیونکہ ان علماء اور حکماء کو منکرین نبوت بھی سند کا درجہ دیتے تھے۔ ذیل میں نمونہ عبارت درج ہے جس سے نگارش و اسلوب کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اثبات نبوت خاتم الانبیاء کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں۔



” فافهم تصوروا الامور على قدر ما وجدوه وعقلوه وما لم يعقلوه قدروا  
استحالته وكذلك من لم يكن بالرويا الصادقة مالوفا وادعى مدعى انه عند زوال  
الحواس يعلم الغيب لانكره المعترفون مثل هذه العقول — واكثر انكار احكام  
الشرائع وعجائب الاخرة من هذا القبيل“<sup>(۱)</sup>

### رسالہ در ردّ روافض :-

۹۹۷ھ میں عبد اللہ خاں ازبک نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔  
شیعہ حضرات نے ان ہی دنوں علماء ماوراء النہر کو ایک رسالہ بھیجا۔ اس میں  
خلفائے ثلاثہ کی توہین اور حضرت عائشہ کی شان میں بڑی گستاخیاں کی گئی تھیں  
ہندوستانی شیعہ ان مضامین کی عوام میں تشہیر اور سلاطین و امراء کی  
مجالس میں ان پر اظہار فخر کرتے۔ حضرت مجدد ان محفلوں میں روایت و درایت  
کے اصول پر مضامین کی تردید فرماتے لیکن آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل  
رسالہ کی ضرورت محسوس کی تاکہ عوام الناس میں بھی غلط فہمیوں کی گنجائش  
نہ رہے۔

شیخ احمد سرہندی کا یہ رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اس میں  
دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا ہے کہ مشاجرات صحابہ اجتہادی اختلاف کا نتیجہ  
تھے۔ بغض و عناد ہرگز سبب نہ تھا۔ خلافت کی ترتیب درست اور شیخین کی  
فضیلت مسلم ہے۔ رسالہ میں شیعوں کے متعدد فرقوں اور ان کے مختلف

نظریات کا بھی ذکر ہے۔ یہ رسالہ مطبوعہ ہے اور مختلف مطابع سے شائع ہوا

ہے۔

### معارف لدنیۃ

رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ یہ حضرت مجدد الف ثانی کے معارف خاصہ اور طریقت کے اہم مباحث سے تعلق رکھتا ہے۔ اس میں شریعت و طریقت کی ہم آہنگی پر بہت زور دیا گیا ہے اور نام نہاد صوفیہ جو خلاف شرع باتیں کہتے ہیں ان کی مذمت کی گئی ہے۔ رامپور، کراچی اور لاہور سے یہ رسالہ شائع ہو چکا

ہے۔

### شرح رباعیات :

خواجہ محمد باقی باللہ شیخ احمد سرہندی کے پیرو سرشار تھے شریعت و طریقت کی عمدہ بصیرت کے ساتھ فارسی نثر و نظم میں بھی الفیں بلند مقام حاصل تھا۔ آپ نے اپنی دور یاعیوں کی ایک شرح لکھی تھی جس میں وجود واجب تعالیٰ اور ربط حادث بالقدم کے دقیق مسائل کا بیان ہے۔

حضرت مجدد نے اپنے معارف خاصہ اور حضرت خواجہ کی تعلیمات

کی روشنی میں اس شرح کی مزید توضیح و تشریح بیان کی۔ اس کے اندر سرایان و احاطہ، صفات لبشری، فنائے محمدی علیہ الصلوٰۃ والسلام، اصول نہایت النہایت موافقت بین کلام العلماء و الصوفیہ وغیرہ مضامین پر بحث کی گئی ہے۔ یہ شرح کراچی

سے شائع ہو چکی ہے۔

### رسالہ تہلیلہ

شیخ احمد سرہندی کا یہ رسالہ عربی زبان میں ہے۔ اس میں کلمہ طیبہ کے متعلق مختلف امور سے بحث کی گئی ہے۔ کلمہ طیبہ کے پہلے حرف ”لا“ کے ذریعہ بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ پھر لفظ ”اللہ“ کی حقیقت، اس کا اشتقاق لطائف، توحید، کلمہ طیبہ کے فضائل اور وجود باری تعالیٰ کی حقیقت زیر بحث آئی ہے۔ آخر الذکر موضوع کے ضمن میں بتایا ہے کہ فلاسفہ اور صوفیہ وجود باری کے عین ذات ہونے میں متفق ہیں۔ بعد ازاں رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل، نبوت کے دلائل اور معجزات وغیرہ کا ذکر ہے۔ یہ رسالہ کراچی اور لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

### مبدأ و معاد،

فارسی زبان میں ایک مختصر سا رسالہ ہے۔ حضرت مجدد کے بعض علوم و معارف متفرق مضامین کی شکل میں تھے۔ آپ کے خلیفہ خواجہ محمد صدیقی بدخشی نے ان کو یکجا کر کے مرتب و مدون کیا۔ یہ رسالہ آداب طریقت، کمالات ادلیاء، حقیقت کعبہ اور حقیقت قرآن وغیرہ مضامین کو محیط ہے۔

### مکتوبات :-

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مکتوبات علوم و معارف کے عالمگیر ذخیرہ میں خصوصی امتیاز رکھتے ہیں۔ بیشتر خطوط فارسی میں ہیں البتہ چند خطوط عربی میں بھی ہیں۔ مکتوبات عربی میں ہوں یا فارسی میں۔ وہ اپنی تاثیر بر جستگی اور روانی کے لحاظ سے ادب و انشاء میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ دائرہ

معارف میں مکتوبات کی قدر و قیمت درج ذیل الفاظ میں واضح کی گئی ہے۔

” غالباً یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مشنوی مولانا روم کے بعد مکتوبات ہی

حقائق و معارف اور اسرار شریعت و طریقت کا وہ خزینہ ہیں جن سے الحاد و زندہ

بدعت و ضلالت کا قلع قمع ہوتا ہے۔ مکتوبات کا انداز علمی بھی ہے اور واعظانہ و

خطیبانہ بھی۔ زبان موثر اور شیریں ہے اور اسلوب بیان نہایت سلجھا ہوا۔<sup>(۱)</sup>

مکتوبات کی مجموعی تعداد پانچ سو چھتیس ہے جو مختلف متوسلین

خلفاء، اراکین سلطنت، صاحبزادوں اور پیر و مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ

کے نام تحریر کئے گئے ہیں۔ ان کی تین جلدیں ہیں۔ دفتر اول ۳۱۳ خطوط پر مشتمل ہے

اس کے مرتب خواجہ یار محمد بدخشی ہیں۔ دفتر دوم میں صرف ننادے مکتوب ہیں

اس کے مرتب خواجہ عبدالحئی ہیں اور دفتر سوم ۱۲۴ خطوط کو محیط ہے اس کے مرتب

میر محمد لغمان اور خواجہ محمد ہاشم کشمی ہیں۔

عربی ادب میں آپ کو زبردست کمال حاصل تھا۔ مگر تقاضائے وقت

کے پیش نظر آپ نے فارسی زبان کو ہی عموماً ذریعہ اظہار بنایا۔ یہی حال مکتوبات

میں بھی ہے۔ تاہم بعض مقامات پر آپ نے عربی زبان میں مطابقت فرمائی ہے

ذیل میں بطور نمونہ عربی مکتوب ملاحظہ ہو۔

میر محب اللہ کو لکھتے ہیں۔

” النصیحة ہی الدین ومتابعة سید المرسلین علیہ وسلم الصلوٰۃ

والسلام واثيان السنة السنوية والاجتناب عن البدعة اللامرضية وان  
كانت البدعة تترى مثل فلق الصبح لانه في الحقيقة لا نور فيها ولا ضياء ولا  
للحيل فيها شفاء ولا للداء فيها دواء - كيف والبدعة اما مرافعة للسنة او  
ساكنة عنها - والساكنة لا بد ان تكون مائة على السنة فتكون ناسخة  
لها في الحقيقة ايضا لان الزيادة على النص نسخ له فالبدعة كيف كانت تكون  
مرافعة للسنة لقيضة لها فلا خير فيها ولا حسن فيها<sup>(١)</sup>

## شیخ عبدالحق محدث دہلوی ( ۱۰۵۲ - ۱۲۹۵ھ )

ابوالمجد شیخ عبدالحق دہلوی ایک جلیل القدر محدث، ممتاز عالم، شریعت و طریقت کے نامور پیشوا اور عربی و فارسی کے بہترین ادیب تھے۔ تاریخ و سوانح پر بھی آپ کو زبردست عبور حاصل تھا۔ فارسی میں پانچ لاکھ کے قریب اشعار کہے ہیں۔ حقی تخلص تھا۔

فقہ و فتاویٰ میں اجتہادی بصیرت کے باوجود مسلک احناف کے پیرو تھے۔ آپ نے فقہ حنفی کی نہ صرف ترجیح کی بلکہ اس کو احادیث کے ذریعہ مدلل و مزین کر کے پیش کیا ہے۔ آپ کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ حنفیہ کے یہاں حدیث کا درجہ قیاس پر مقدم ہے۔ رائے اور قیاس کی حیثیت ثانوی ہے اور شواہد کے متعلق مان ہوتا ہے کہ وہ حدیث پر قیاس کو فوقیت دیتے ہیں جبکہ احناف ارباب قیاس سے اور شواہد اصحاب حدیث سے مشہور ہیں۔

مسلک احناف کی حمایت کی وجہ سے آپ سے اہل حدیث نالاں ہیں۔ بیکہ بعض حضرات نے تو اپنے علمی وقار کو بالائے طاق رکھ کر آپ کی شان میں ناشائستہ الفاظ تحریر کئے ہیں۔ اور آپ کی عظمت کم کرنے کیلئے تاریخی حقائق کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بعہد اسلام شاہ سوری ماہ محرم ۱۲۹۵ھ میں بمقام دہلی پیدا ہوئے۔ آبا و اجداد بخارائے باشندے تھے جو ہندوستان آئے

اور دہلی میں سکونت پذیر ہو گئے۔<sup>(۱)</sup> والد ماجد کا نام شیخ سیف الدین ہے۔ وہ وحدت الوجود کے قائل اور شیخ محی الدین ابن عربی کے معتقد تھے۔ شیخ سیف الدین اگرچہ کوئی بہت بڑے عالم نہ تھے مگر اپنے ہونہار بیٹے کی تعلیم و تربیت پیرانوں نے پوری نظر رکھی۔ والد بزرگوار ہمیشہ آپ کو انصاف پسندی، بے تعصبی، علم و فضل کے ساتھ تزکیہ باطن اور اخلاص عمل کی تلقین فرماتے تھے۔<sup>(۲)</sup>

شیخ محدث کو بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ بیس بائیس برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔<sup>(۳)</sup> فراغت کے بعد فتح پور سیکری شریف لے گئے جو ان دنوں اکبر بادشاہ کا دارالسلطنت اور علمی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ وہاں آپ نے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کا شغل اختیار کیا۔ ساتھ ہی علمی و روحانی ترقیوں کا سلسلہ جاری رہا۔ شیخ مولیٰ گیلانی سے اخذ فیض کیا اور سلسلہ قادریہ میں خلافت حاصل کی۔ سیکری میں آپ کا دس بارہ برس قیام رہا۔ تشنگان علم اور طالبان سلوک فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ کے علم و فضل کا شہرہ دور دور تک تھا۔ ابو الفیض فیضی نظام الدین بدخشی اور عبدالقادر بدایونی جیسے اصحاب علم اور اربابِ قلم آپ کی علمی لیاقت، تدریسی و تصنیفی صلاحیت اور بزرگی سے متاثر ہیں۔ لیکن آپ نے اپنی عظمت و شہرت سے مادی منفعت کے حصول کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ پیش کش کے باوجود اس سے اجتناب فرمایا اور زہد و قناعت کی زندگی پسند فرمائی۔ چنانچہ آپ خود تحریر

(۱) حدائق الحنفیہ / ۴۰۹

(۲) رد کوثر / ۳۴۷

(۳) مآثر الکرام ج ۱ / ۲۰۱

فرماتے ہیں۔

”جب اللہ کے فضل و کرم سے مجھے علم و معرفت کا خاصا حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے اہل دنیا کی طرف بلایا اور میں بادشاہ وقت اور امراء کے پاس گیا انہوں نے میری طرف بہت توجہ کی۔ میرا رتبہ بلند کیا بلکہ ارادہ کیا کہ میرے ذریعہ اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھے ضعیف سے اپنی قوت میں اضافہ کریں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا۔“<sup>(۱)</sup>

شہنشاہ اکبر اور اس کے ہم خیالیوں کی دینی بے اعتدالیاں بڑھنے لگیں تو شیخ محدث دہلوی نے حرمین شریفین کی زیارت کا قصد فرمایا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۸ برس کی تھی۔ احمد آباد پہنچے۔ یہاں شیخ وجیبہ الدین علوی گجراتی سے ملنے اور فیض پانے کا موقع ملا۔ آپ نے ان سے قادریہ سلسلہ کے کئی اذکار و اشغال حاصل کئے۔ احمد آباد کے زمانہ قیام میں مولانا سلیمان کردی نے آپ سے حدیث پاک کا درس لیا۔ پھر اپنے دوست مرزا نظام الدین بدخشی کی مدد سے ایک جہاز میں بیٹھ کر حجاز روانہ ہو گئے۔<sup>(۲)</sup>

حجاز مقدس ۹۹۶ھ میں پہنچے وہاں کے محدثین سے درس حدیث لیا۔ بیت اللہ کی زیارت اور آرزوئے حج پوری کی۔ شیخ عبد الوہاب متقی کی خدمت میں حاضر ہوئے ان سے حدیث، تصوف، فقہ صنفی اور حقوق العباد کی تعلیم حاصل کی۔ تحصیل علم کے دوران کئی بار مدینہ منورہ حاضری دی۔ مدینہ کی سرزمین پہنچ کر عشق و محبت میں روضہ

(۱) زاد المتقین بحوالہ رد کوثر ۳۴۹/۹

(۲) منتخب التواریخ ۱۱۳/۳



اقدس تک برہنہ پا جاتے۔ آپ نے فارسی میں قصیدہ کہا تھا جو آپ نے بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ آپ نے پوری لگن کے ساتھ علم حاصل کیا آپ کی محنت اور شوق سے شیخ عبد الوہاب متقی بہت خوش ہوتے۔ کچھ ہی عرصہ میں آپ کو حدیث، تصوف اور فقہ میں مکمل عبور حاصل ہو گیا۔ استلا اور مرشد کی صحبت ہی کا فیض تھا کہ آپ وحدت الوجود کے قائل نہ تھے جبکہ آپ کے والد وجودی نظریہ کے حامی تھے۔

شیخ عبد الحق کی تعلیم و تربیت مکمل ہو گئی تو شیخ عبد الوہاب نے ان کو اپنا مجاز مطلق اور خلیفہ کل بنا دیا اور فرمایا کہ وطن جاؤ۔ شیخ محدث اکبری فتنہ سے دل برداشتہ تھے۔ اس لئے ہندوستان آنے کیلئے طبیعت آمادہ نہ تھی لیکن شیخ عبد الوہاب نے سختی سے ہدایت کی کہ تمہاری بوڑھی والدہ اور بچے منتظر ہیں۔ تمہیں واپس جانا چاہیئے شیخ محدث نے عرض کیا متبرک مقامات کی سیاحت کرنا ہو اور وطن چلا جاؤں؟ اور دلیل میں بعض مشائخ کے اقوال بھی پیش کئے مگر مرشد نے شرعی و عقلی دلائل سے خاموش کر دیا۔ مجبوراً آپ بادل نا خواستہ وطن واپس آ گئے۔

حجاز سے واپسی کے بعد شیخ محدث دہلی آ کر مقیم ہو گئے۔ فیضی نے دار السلطنت آنے کی دعوت دی۔ مگر شیخ نے دار السلطنت کے حالات اور خود فیضی کو قریب سے دیکھا تھا اس لئے آپ نے وہاں جانا قبول نہ کیا حالانکہ اس وقت حالات بدل چکے تھے۔ اسلام دشمنی کی شدت ماند پڑ گئی تھی۔ دین اکبری مسترد کر دیا گیا تھا۔ غیضی کی تفسیر غیر منقوط تبدیلی ماحول کے بعد ہی کی تصنیف ہے۔ شیخ دہلوی سے فیضی نے درخواست کی کہ کم از کم مراسلت جاری رہے۔ القصہ آپ نے دہلی میں مسند درس و ارشاد بچھائی اور ہندوستان کے قدیم نصاب تعلیم کے برعکس نیا نصاب شروع کیا۔ اس میں

قرآن و حدیث کو فوقیت دی گئی۔ شریعت مطہرہ کو آسان کر کے پیش کیا گیا اور غیر ضروری مباحث و فلسفیانہ موشگافیاں ترک کر دی گئیں۔ یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت و سنت کی آواز بلند ہوئی۔ اس مدرسہ میں نصاب تعلیم دوسری درجہ سے بالکل مختلف تھا۔ یہاں قرآن و حدیث کو تمام علوم دینی کا مرکزی نقطہ قرار دے کر تعلیم دی جاتی تھی<sup>(۱)</sup>۔

شیخ عبدالحق کو علماء کبار و صوفیائے عظام سے ملاقات و استفادہ کا خیال ہمہ وقت دامنگیر رہتا تھا۔ چنانچہ خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی قدس سرہ دہلی تشریف لائے تو آپ نے حاضر خدمت ہو کر اخذ فیض کیا اور ارشاد و ہدایت کی اجازت حاصل کی۔ آخر عمر میں لاہور کے شاہ ابو العالی قادری سے عقیدت کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ اسی طرح مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی سے بھی آپ کو عقیدت ہو گئی تھی۔ اگرچہ ان کے بعض جہلوں کی وجہ سے جو بادی النظر میں قابل اعتراض تھے آپ کو اختلاف رہا۔ جب مجدد الف ثانی نے ان کے معنی اور مفہوم کی وضاحت فرمائی تو اختلاف ختم ہو گیا۔ پھر تو آپ نے ان کی شان میں پیر شوکت تعریفی و توصیفی کلمات تحریر کئے۔

شیخ محدث دہلوی کی عمر کا بیشتر حصہ درس و تدریس، تصنیف و تالیف اور رشد و ہدایت میں گزرا۔ آپ کی خدمات حدیث کا اعتراف سبھی مورخین کرتے ہیں آپ کی علمی سرگرمیاں آخری عمر تک جاری رہیں۔ ۲۱ ربیع الاول ۱۲۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ۔ وصیت کے مطابق بڑے فرزند شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی<sup>(۲)</sup>۔ قبرا طہر قطب صاحب میں حوض شمس کے کنارے ہے۔

(۱) حیات شیخ عبدالحق / ۱۲۵

(۲) نفیس مصدر / ۱۵۰

آپ نے تین فرزند چھوڑے۔ (۱) شیخ نور الحق مشرقی (۲) شیخ علی محمد (۳) شیخ محمد ہاشم۔  
 آپ نے مختلف علوم و فنون پر قلم اٹھایا۔ کتب مصنفہ کی تعداد ساٹھ ہے۔  
 ان میں سے کچھ کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں۔ موضوع کی مناسبت سے ہم یہاں  
 صرف عربی تصانیف کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

### تعلیق الحاوی علی تفسیر البیضاوی

انوار التنزیل و اسرار التاویل مشہور کتاب ہے جو تفسیر بیضاوی کے  
 نام سے مشہور ہے۔ اس کے مصنف عبد اللہ بن عمر بیضاوی (م ۶۱۲۹۱) ہیں۔ اس کے متعدد  
 حواشی، تعلیقات اور شرحیں لکھی گئیں۔ شیخ عبد الحق تفسیر بیضاوی کی افادیت کے  
 تو معترف تھے مگر اس کے فلسفیانہ موثقاتیوں دور از کار اور مشکل مباحث کو اس کی  
 خامیوں میں شمار فرماتے تھے۔ شیخ کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

”بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ در تفسیر قرآن و شرح احادیث ازین باب قباحتها  
 بسیار کرده تجاوز اللہ عنہ و اگر آں مواضع را بشمارم سخن دراز گردد۔“<sup>(۱)</sup>

اسی لئے شیخ دہلوی نے تفسیر بیضاوی کے مفید اور موثر حصہ پر  
 ایک حاشیہ تحریر فرمایا اور دور و دراز کے غیر مفید فنی مباحث کو ترک کر دیا۔  
 تاکہ طالبین کو بیضاوی کا تفسیری محاسن پر مشتمل عمدہ سرمایہ تلاش کرنے میں  
 مفید کو غیر مفید سے الگ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے اور اس کے مطالب  
 بھی آسانی سمجھ میں آسکیں۔ مگر اس کے کسی نسخہ کا پتہ ہمیں لگ سکا۔

## لمعات التفتیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح

مشکوٰۃ المصابیح احادیث کا مستند مجموعہ ہے جسے آفاقی شہرت حاصل ہے۔ شیخ عبد الحق نے فارسی زبان میں اشعۃ اللغات کے نام سے اسکی شرح تحریر فرمائی جو چھ سال کی محنت میں مکمل ہوئی اسکی چار جلدیں ہیں۔ اسی دوران شیخ کو عربی شرح کی ضرورت کا احساس ہوا۔ آپ اسکی ضرورت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”اشعۃ کی تحریر کے وقت بعض مضامین ایسے پیش آئے جنکی تشریح کو فارسی زبان میں لکھنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ فارسی عوام کی زبان ہے جبکہ ان مضامین کی تشریح طالبین کے لئے ضروری تھی۔ یہذا عربی زبان میں بھی ایک مستقل شرح وجود میں آگئی تاکہ اہل علم ان مفید مباحث سے محروم نہ رہیں“

اس عربی شرح کا نام لمعات التفتیح ہے جو دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء میں پاکستان سے شائع ہو چکی ہے اسکے قلمی نسخے ہندوستان کی متعدد لائبریریوں میں محفوظ ہیں۔ لمعات کے شرع میں علم حدیث پر ایک جامع اور مفید مقدمہ ہے جس میں احادیث کی تمام قسموں کا بیان ہے۔ یہ مقدمہ مشکوٰۃ کے متن کے ساتھ متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔

لمعات میں لغوی توضیح، نحوی تشریح، فقہی بیان، اصول استنباط اور رواۃ حدیث کے نام و القاب وغیرہ کا صحیح تلفظ جیسے مباحث زینت تحریر ہیں

شیخ دہلوی نے اس تصنیف میں احادیث مبارکہ سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت عمدہ پیرایہ میں کی ہے۔ خود شیخ محدث اسکی توصیف میں لکھتے ہیں۔

”اس شرح کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ امام شافعی اصحاب الرائے میں سے ہیں اور امام اعظم اصحاب نطو اہر میں سے“<sup>(۱)</sup>

احادیث کی تشریح و توضیح کے وقت مصنف کے پیش نظر قوت استدلال ہے اور کم از کم الفاظ میں وہ اپنا مدعا بیان کر دیتے ہیں۔ ذیل میں اس کتاب سے عبارت کاغذہ نقل کیا جاتا ہے تاکہ اسلوب نگارش کی ایک جھلک سامنے آجائے۔

”وعن النبیؐ: من صلی صلوٰۃً، واستقبل قبلتنا واکل ذبیحتنا۔ انما ذکر هذه الثلاثة ولم يذكر الاسلام واسما كانه من الشهاداتتين وغيرهما لانها علامات صحيحة دالة على الاسلام وتميز المسلم من غيره۔ لان من صلی كما لصلى دل ذلك على اقراره بنبوة محمد صلى الله عليه وسلم وبما جاء به من عند الله كله الخ“<sup>(۲)</sup>

### ما ثبت بالسنة في ايام السنة

یہ اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف ہے۔ مختلف مہینوں اور دنوں سے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔ شیخ نے ان کو اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ ماہ

(۱) بحوالہ حیات شیخ عبدالحق/۱۶۹

(۲) لمحات/۸۲

محرم سے ابتداء کی گئی ہے۔ عشرہ محرم اور عاشورہ سے متعلق مرویات بیان کر کے غلط عقائد اور توہمات کو غیر اسلامی قرار دیا ہے۔ مثلاً یہ خیال کہ عاشورہ کے دن نہانے والا شخص بیمار پڑ جائے گا یا اس دن سرمہ لگانے سے آنکھیں نہیں دکھتیں وغیرہ۔ پھر آپ نے ان مرویات پر تنقیدی اور تحقیقی بحث کی ہے جو عالی مقام سیدنا حضرت حین رضی اللہ عنہ سے متعلق ہیں۔ حضرت ابن زبیر اور امیر معاویہ کے تعلقات پر بھی بحث کی ہے۔ بعد ازاں ماہ صفر کو نامبارک اور منحوس سمجھنے کو غلط تصور قرار دیا ہے۔ ماہ ربیع الاول کے ضمن میں سیرت رسول علیہ السلام پر مختصر کلام ہے۔ ماہ ربیع الثانی کے ذیل میں سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے مختصر احوال بیان کئے ہیں۔ اسی طرح دیگر مہینوں سے متعلق روایات کو موضوع تحریر بنایا ہے۔

یہ کتاب مختلف مطابع مثلاً کلکتہ، لاہور اور دہلی سے شائع ہو چکی ہے اس کے قلمی نسخے خدابخش لاہوری پٹنہ اور رضا لاہوری رام پور ۱۸۳۱ء میں موجود ہیں۔

## اکمال فی اسماء الرجال :

فہرست التوائیف میں شیخ عبد الحق نے اپنی تصانیف کی فہرست دی ہے اس میں ان کتابوں کا ذکر نہیں ہے جو بعد کی تحریر شدہ ہیں۔ یہ بھی فہرست التوائیف کے بعد کی تصنیف ہے۔ اس لئے اس میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ غالباً الہی یہ شائع نہیں ہوئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ خدابخش لاہوری میں موجود ہے۔

اس کتاب میں مشکوٰۃ کے تمام راویوں کے حالات قلمبند کئے گئے ہیں  
اولاً خلفاء راشدین کے حالات کا ایک طویل تذکرہ ہے۔ پھر اہل بیت کے حالات لکھے  
ہیں۔ بعد ازاں مشکوٰۃ کے باقی ماندہ راویوں کے حالات بترتیب حروف تہجی تحریر  
کئے ہیں۔

### تحقیق الاشارة الی تعسیم البشارة باللجنة

رسول اُرّم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد صحابہ کو مختلف احادیث میں  
جنت کی بشارت دی ہے۔ شیخ محدث نے ان تمام احادیث کو اس کتاب میں جمع  
کر دیا ہے۔ آخر میں الفوں نے اہل بیت کے اوصاف و فضائل پر مشتمل احادیث  
بیان کی ہیں۔ یہ سب احادیث ابن اثیر کی جامع الاصول اور شیخ علی متقی کی کنز العمال  
سے ماخوذ ہیں<sup>(۱)</sup> اس کا قلمی نسخہ دہلی کے ایک کتب خانہ میں موجود ہے نمبر ۱۲۶۔

### فتح المنان فی تأئید النعمان

یہ تصنیف فقہ حنفی کی تائید و حمایت میں تحریر کی گئی ہے۔ اس میں  
احادیث کو مختلف عنوانات کے تحت جمع کیا ہے۔ بعد ازاں مصنف نے ائمہ اربعہ  
کے منضبط کئے ہوئے مسائل بیان کر کے محاکمہ کیا ہے۔ شیخ محدث نے اس ضمن  
میں ائمہ اربعہ کے دلائل و ماخذ پر بھی شرح و بسط کے ساتھ محققانہ کلام کیا ہے۔

(۱) عربی ادبیات میں یاک و ہند کا حصہ ۷۹

(۲) نفیس مصدر ۲۸۴

ساتھ ہی اضافہ کے دلائل و مآخذ کی قوت و برتری کو ثابت کر کے ان کے مسئلہ کو رائج قرار دیا ہے۔

فتح الحنان کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد ۳۲۰/۲۴ میں محفوظ ہے۔ اس نسخہ میں عنوانات کی فہرست اور سن کتابت درج نہیں ہے<sup>(۱)</sup>۔

### تنبیہ العارف بہا وقع فی الوارف

یہ مختصر سا مجموعہ فن تصوف میں ہے۔ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی کے ارشاد ”قدی هذه علی ساقبۃ کل ولی اللہ“ سے متعلق شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی تصنیف عوارف المعارف میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مقولہ آپ نے حالت سکر میں کہہ دیا ہے اور حالت سکر میں تکلیفات شرعی ساقط ہو جاتی ہیں ورنہ یہ جملہ آپ کی زبان مبارک سے ہرگز ادا نہیں ہوتا۔ شیخ عبد الحق نے اپنی اس تصنیف میں شیخ شہاب الدین کی توجیہ مسترد کر دی ہے آپ نے لکھا ہے کہ شیخ جیلانی نے یہ ارشاد سکر کی حالت میں نہیں، حالت صحو میں بیان فرمایا ہے اور آپ اس ارشاد کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور تھے۔

اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ رامپور ۳۳۹ میں ہے۔

### وجوبۃ اثنا عشر فی توجیہ الصلوٰۃ علی سید البشر

حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر خدا تعالیٰ کی جو



رحمتیں اور برکتیں نازل ہوئیں، درود شریف میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی ان ہی کے مماثل اور مشابہ رحمتوں اور برکتوں کی دعا ہے۔ اس لئے بظاہر حضرت ابراہیمؑ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ درود ابراہیمی میں صلوٰۃ علی محمد مشبہ ہے اور صلوٰۃ علی ابراہیم مشبہ بہ ہے اور ضابطہ کے تحت مشبہ سے مشبہ بہ افضل ہوتا ہے۔ شیخ محدث دہلوی نے اس اعتراض کے بارہ جواب تحریر کئے ہیں۔ سحر کے وقت اس کو لکھنا شروع کیا اور طلوع آفتاب تک اس کو مکمل کر دیا۔ خود مصنف علام رقمطراز ہیں۔

”رسالة حوت توجیہات التشبیہ الواقع فی الصلوٰۃ علی النبی الکریم  
اللہم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی آل ابراہیم جمعتهما فی  
مجلس واحد من وقت السحر الی طلوع ذکاء مع ما وقع فی البین من الصلوٰۃ  
والوہود والدعاء“

اس رسالہ کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں

موجود تھا۔<sup>(۱)</sup>

### زبدۃ الآثار منتخب بھجۃ الاسرار

شیخ نور الدین ابو الحسن علی بن یوسف شنطوقی (۱۱۳۲ھ) نے  
سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے حالات ایک کتاب میں جمع فرمائے ہیں جو

بہجۃ الاسرار سے موسوم ہے۔ یہ شیخ جیلانی کے حالات پر قدیم ترین تذکرہ ہے۔  
شیخ عبدالحق نے زبدۃ الآثار کے نام سے اس کتاب کا خلاصہ تحریر کیا ہے جو  
۱۳۰۴ھ میں ممبئی سے شائع ہوا تھا۔

### اجازۃ الحدیث فی الدیم والمحدث

اس رسالہ میں مصنف نے اپنی اسناد حدیث کی تفصیل بیان  
کی ہے کہ کن کن ذرائع سے ذخیرہ حدیث آپ تک پہنچا۔ اس کا قلمی نسخہ  
مولوی انوار الحق رحمہ اللہ کے کتب خانہ میں موجود تھا۔<sup>۱۵</sup>

### جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین

مرتب نے اس میں ایسی چالیس حدیثیں جمع کی ہیں جن میں رسالت  
مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سلاطین اور بادشاہوں کو ہدایتیں فرمائی ہیں۔

### تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والنصوف

مصنف نے یہ کتاب شریعت و طریقت کی تطبیق کے لئے تحریر فرمائی  
ہے فقہ و تصوف کی تشریح بیان کرتے وقت اس امر پر خصوصی توجہ دی گئی ہے  
کہ اہل شرع اور اہل طریقت کے درمیان جو غلط فہمی کی دیوار حائل ہے وہ ختم ہو  
جائے۔ اس تصنیف میں بتایا گیا ہے کہ فقہ میں حقیقت تصوف مطلوب ہے اور

جو تصوف شریعت سے ہم آہنگ نہ ہو وہ درحقیقت تصوف ہی نہیں۔ شریعت و طریقت لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔

اس کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق کے کتب خانہ میں موجود تھا۔<sup>(۱)</sup>

### حاشیۃ الفوائد الضیائیۃ

شیخ عبد الرحمن ملا جامی نے علامہ ابن حاجب کی تصنیف ”کافیہ“ کی شرح لکھی اس کا نام الفوائد الضیائیۃ ہے اور شرح جامی سے مشہور ہے۔ شیخ عبد الحق نے ”الفوائد الضیائیۃ“ پر ایک حاشیہ تحریر کیا تھا۔ آپ کی فہرست تصانیف (فہرس التوالیف) میں اس کا ذکر ہے مگر اس کے کسی نسخہ کا علم نہیں ہو سکا۔

### بناء المرصوص فی ترمیم مباحث الموضوع :

یہ کتاب علم حکمت میں ہے۔ شیخ کی تصانیف میں اس کا ذکر ملتا ہے مگر کسی نسخہ کا علم نہیں ہو سکا۔

### درۃ البہیمۃ فی اختصار الرسالة الشمسیۃ

یہ کتاب فن منطق میں ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ برٹش

میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مرآة الحقائق / ۵۰

(۲) حیات شیخ عبد الحق / ۱۹۱

## رسالة في اقسام الحديث

اقسام حدیث سے متعلق ایک مفید اور مختصر رسالہ تھا۔ اس کا قلمی نسخہ مولوی انوار الحق دہلوی کے کتب خانہ میں موجود تھا۔<sup>(۱)</sup>

### شرح شمسیدہ

یہ شرح فن منطق میں ہے۔ اس کے کسی نسخہ کا علم نہیں مگر شیخ نے اپنی تصانیف میں اسکو شمار کیا ہے۔  
ذیل میں شیخ کی ان کتابوں کے نام درج ہیں جو عربی اور فارسی مخلوط زبانوں میں ہیں۔

(۱) جامع البرکات منتخب شرح مشکوٰۃ (حدیث)

(۲) اسانید شیخ عبدالحق (حدیث)

(۳) شرح صدور تفسیر آیات نور (تفسیر)

(۴) ہدایۃ الناسک الی طریق المناسک (فقہ)

(۵) مطلع الانوار البہیہ فی الحلیۃ النبویۃ (سیرت)

(۶) رسالہ وظائف (اعمال)

(۷) مطلب الاعلیٰ فی شرح اسماء اللہ تعالیٰ (اعمال)

---

(۱) بحوالہ حیات شیخ عبدالحق / ۱۷۰

(۸) رسالہ وجودیہ (تصوف)

(۹) فصول الخطب (خطبات)

(۱۰) رسالہ نورانیہ سلطانیہ (تاریخ)

(۱۱) توصل المراد الی المراد بہ بیان الاحزاب والاواراد (تصوف)

ان کے علاوہ شیخ نے بہت سی کتابیں فارسی میں تحریر فرمائی

تھیں جو اہل علم کے لئے آج بھی مشعل راہ بنی ہوئی ہیں۔

## عبد النبی شطاری

ان کا پورا نام عماد الدین محمد عارف عثمانی سندیلوی المعروف بہ شیخ عبد النبی بن شیخ عبد اللہ شطاری الکبیر آبادی ہے۔ شطاری سلسلہ میں اپنے والد عبد اللہ سے مرید ہیں۔ شریعت کے نہایت پابند عالم، صوفی اور حنفی المذہب ہیں۔<sup>(۱)</sup> ان کے مفصل حالات اور ولادت و وفات کی تاریخوں کا صحیح صحیح پتہ نہیں چلتا ہے۔ البتہ ان کی بعض تحریروں کی روشنی میں یہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا زمانہ دسویں صدی کا آخر اور گیارھویں صدی ہجری کے شروع کا ہے۔ مولانا عبد الحئی نے ان کی تصنیف ”فوائح الانوار“ کے حوالے سے ان کا زمانہ ۱۰۲۱ھ متعین کرنے کی کوشش کی ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔

”سایت فوائح الانوار شرح لوائح الاسرار للشیخ عبد النبی ملتویا“

بخطہ سنۃ سبع وثمانین و مائین و الف و کان فی آخرہ: قد وقع الفراغ یوم الجمعة ثامن عشر من عشرین من حادی عشر من الهجرة تجاه مرقد الشیخ الوالد ببلدة آگرة۔۔۔۔۔ و تاریخ اتمامہ ”افضال حق“<sup>(۲)</sup>

لیکن ان کی مشہور تصنیف ”دستور المفسرین“ کے خاتمہ کی عبارت

سے تاریخ ۱۰۲۱ھ نکلتی ہے۔

(۱) نزہۃ الخواطر ۵/ ۲۶۱

(۲) تذکرہ علمائے ہند ۳۲۷

”وقد حصل الفراغ من تسويد هذا المقال بعون الله الملك الوهاب  
المتعال صخرة يوم الاثنين حادی عشرین من الثانی وهو من حادی عشرین من  
احدی عشر من سنی هجرة“ (۱)

انہوں نے بہت سی تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ جن کے اسماء

تذکرہ علمائے ہند اور نثر حقہ الخواطر میں اس طرح درج ہیں۔

فوائح الانوار شرح لوائح الاسرار، اردو اٹھ شرح لوائح المختصر

قواطع مذکور، ذریعۃ النجاة شرح مشکوٰۃ، شرح الفصوص، شرح ترجمۃ

الفصوص، شوارق اللغات فی شرح اللغات، شرح خلاصۃ العشق، شرح

جام جہاں نما، شرح اللطیفۃ العلمیۃ، شرح نخبۃ الفکر، شرح آداب حنفی،

شرح المعانی، مہر حسن، شرح جواہر خمسہ، شرح کلید مخازن، شرح تحفۃ حل

الودو، فیض الخبیر (شرح حاشیہ سید شریف بر عنودی) رسالہ در توفیق فقر،

رسالہ کشف الجواہر، رسالہ در اسم ذات، رسالہ در شرح حدیث خیر الاسما

عبداللہ وعبدالرحمن، رسالہ لطائف العشر فی حقیقۃ البشر، رسالہ معراج،

رسالہ کنوز الاسرار در اشعار شطار وجوامع کلم، الصوفی ومقامات العارفين

فتوحات المغیبۃ، حدائق الانشاء، رسالہ در ناسخ و منسوخ معروف بہ دستور

مفسرین، بحر الکرم شرح عین العلم، حاشیہ شرح جامی از بحث حال تا

مجرورات، سوا طع الالہام شرح تہذیب الکلام، شرح حدیث معراج

المومنین، شرح حدیث ”كنت كنزاً مخفياً“ رسالہ دستور السعادة در بیان

ولایت، فیض القدوس منتخب لقد النصوص، مطالع الانوار الخفی شرح اجوبة  
الولی، جواهر الاسرار، شرح فصوص القارانی، فیض الملک المبین شرح  
حق الیقین، لوا مع الانوار فی مناقب السادة الاطهار، رساله در سماع، شرح  
جواب ابن سینا للکتوب الی الخیر مولانا ابوسعید، شرح ارشاد الحق، روح  
الارواح، شرح الحکمة الاشراقیة، شرح حضرات المحسن، رساله ناسخ  
التناسخ، شرح الجواهر الثالث من الجواهر الخمسة۔ وغیره<sup>(۱)</sup>۔

دستور المفسرین ۲۳، اور ان کا رسالہ ہے یہ ناسخ و منسوخ سے  
متعلق ہے اس کا ایک قلمی نسخہ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری میں ذخیرہ  
مولانا عبدالحی فرنگی محلی نمبر ۱۱۸ کے تحت موجود ہے۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ ہے۔  
بسم اللہ الرحمن الرحیم و اما جو منک الافاضة یا کریم الحمد لله الذی نسخ سنن  
الصلوة والمصوی -

حمد و صلوة کے بعد مصنف نے ایک طویل مقدمہ تحریر کیا ہے جس میں  
یہ بحث کی ہے کہ آیات کیوں اور کس طرح منسوخ ہوئیں۔ اس سلسلہ میں  
مصنف نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام کا ذکر اور ان کی تعریف و توصیف  
کی ہے بعد ازاں اپنے نام اور علم تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

”وبعد فيقول العبد المفتقر الى العنايات القیومی عبد البنی بن سراج

ادین شیخ عبد اللہ الصوفی العثماني نسبة و الشطاری خرقه و الحنفی مذهباً و ملة  
الآبروی موطناً و اقامه ، ان علم التفسیر من بین العلوم علم ارفعها قدرًا

(۱) نزہۃ الخواطر ۵/ ۴۲-۴۳، تذکرہ علماء ہند ۲۲۷



ومثلاً واعظهما نفعا واعتباراً اذ هو مغز العلوم ومنبعها وكنز الشرائع  
ومعدنها۔ اودع اللہ سبحانہ فیہ اللطائف والغرائب وكل ما كان وما يكون  
من العجائب ولا رطب ولا يابس الا فی كتاب مبین<sup>(۱)</sup>۔

(حمد و صلوة کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایتوں کا محتاج بندہ ناچیز عبد الباقی  
بن سراج الدین شیخ عبد اللہ صوفی جو نسباً عثمانی، فرقہ شطاری اور ملت و  
مذہباً حنفی ہے اور آگرہ میں مقیم ہے۔ عرض کرتا ہے کہ علم تفسیر تمام علوم میں ایسا  
علم ہے جو اپنی قدر و مثال کے اعتبار سے بلند ہے اپنے نفع کے لحاظ سے عظیم ہے کیونکہ  
یہ تمام علوم میں قابل فخر اور سب کا سرچشمہ ہے اور یہ شریعت کا خزانہ اور  
اسکی کان کے مانند ہے۔ اس میں اللہ سبحانہ نے لطائف و غرائب و دیعت  
لکھے ہیں اور ہر وہ عجیب بات جو ہو سکتی تھی یا جو ہو سکتی ہے اور ہر رطب و یابس  
اس کتاب مبین میں موجود ہے)۔

”اس کے بعد مصنف نے یہ بتایا ہے کہ جب علم تفسیر اصول دینیہ کی  
بنیاد ہے اور اس سے احکام مستنبط کئے جاتے ہیں۔ اس علم کا تعلق تاریخ سے  
بھی ہے۔ مقدم و مؤخر کو جاننے سے بھی ہے۔ وضاحت معانی میں اسکو خاص دخل ہے  
اور ناسخ و منسوخ کے علم پر موقوف ہے تو اس علم کی تفسیر و توضیح اس شخص  
کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے جو کہ اس میدان کا شہسوار نہ ہو تا کہ وہ حلال  
کو حرام، حرام کو حلال اور مباح کو ممنوع اور ممنوع کو مباح کرنے کا مرتکب نہ ہو۔  
پھر مؤلف نے وہ احادیث و اقوال نقل کئے ہیں جن سے اس بات کی تائید ہوتی ہے

کہ مفسر کے لئے نسخ و منسوخ کا علم بہت ضروری ہے<sup>(۱)</sup> پھر کتاب کے نگفے کی ضرورت اس طرح بیان کی ہے۔

”عزمت ان اجمع رسالۃ کاملۃ فی هذا الباب شاملۃ لجميع الفصول والابواب محتویۃ لجميع ما یجہم ویقصد فی هذا المقصد الاعلی جامعۃ لكل ما یجب ان یعلم ویطلب فی هذا المطلب الاسنی من کون السور مکیۃ او مدنیۃ مع ما فیہا من المختلفات والمستثنیات وتعداد الایات وعدد الحروف والکلمات الخ“<sup>(۲)</sup>

الفون نے اپنی اس کتاب کو خانخاناں کے نام معنون کیا ہے اور اسکو ”والی اقالیم الفضل والکرم“ معز العلماء والفضلاء، شمس الضحیٰ بدسالدجی، علم المہدی، بحر الہند، عضد الدولۃ القاہرہ، وحید العصر فرید الزمان، صاحب السیف والقلم، معدن الجود ومنبع الکرم، جامع العلم والعرفان، معین الاسلام والایمان ”وغیرہ“ القاب سے یاد کیا ہے۔ اصل موضوع شروع کرنے کے بعد لفظ نسخ کی لغوی تشریح اس طرح کی ہے۔

”اعلم ان النسخ فی اللغة الانشاء یقال نسخت الظل ای انشاء الظل والنقل ایضا یقال نسخت الكتاب ای نقلته ونسخت النخل ای نقلته من موضع الی آخر ومنه المتاسخات لانتقاله من وارث

(۱) دستور المفسر ص ۲/۳

(۲) نفس مصدر / ورق ۳

(۱) الی آخر،

مؤلف نے یہ بحث بہت طویل کی ہے۔ نسخ کی مختلف مثالیں بھی دی ہیں۔ علماء کے اقوال کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ ابن حاجب (م ۶۴۶ھ) ابوسلمہ صنفی (م ۳۲۲ھ) اور ابوجعفر نخاس (م ۳۳۸ھ) وغیرہ کی روایتیں بھی اس سلسلہ میں بیان کی ہیں۔ پھر یہ بحث کی ہے کہ نسخ کس قسم کے احکام میں ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ قدماء مفسرین کے اقوال بھی بیان کرتے ہیں مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

”اعلم انه اختلف العلماء فيما يقع عليه النسخ فقال مجاهد بن جبیر وسعيد بن جبیر وعكرمة بن حبان ان النسخ لا يقع الا على الامر والنهي فقط“ (۲)

پھر مثالوں اور اقوال سے نسخ کی قسمیں سمجھائی ہیں۔ کتاب اللہ سے نسخ کی چار قسمیں بتائی ہیں۔

(۱) الرفع الى ما هو اغلظ من الاول والنقل منه۔

(۲) الرفع من غير بدل۔

(۳) الرفع ما هو اضع منه۔

(۴) الرفع الى ما هو مثله۔

بعد ازاں نسخ کی چار بڑی قسمیں یا طریقے نسخ الكتاب بالكتاب

(۱) دستور المفسرین / ۵

(۲) نفس المصدر / ۶

نسخ الکتاب بالنسۃ، نسخ النسخ بالنسۃ اور نسخ النسخ بالکتاب بیان کئے ہیں۔ ان تمام مباحث کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے اور قرآن مجید کی سوری ترتیب کے اعتبار سے آیات منسوخہ کو ذکر کیا ہے۔ مصنف کے بیان کے مطابق سورہ الحمد میں کوئی آیت منسوخ نہیں ہے۔ سورہ بقرہ میں تیس آیات منسوخ ہوئیں سورہ آل عمران میں نو، سورہ نساء میں چوبیس۔ اسی طرح تمام سورتوں کے نام اور آیات منسوخہ کی تفصیل اور جن سورتوں میں نسخ نہیں ہیں ان کے حروف و کلمات تعداد آیات اور ان کے مکی و مدنی ہونے کو بیان کیا ہے۔

یہ کتاب اپنے فن پر ایک کامل و مکمل تصنیف ہے۔ یہ ایک ہندوستانی عالم کی اس موضوع پر نہایت جامع تصنیف ہے۔

اختتام عبارت یہ ہے۔

»المفتقر الی رحمۃ اللہ الباری هو عماد الدین محمد عارف عرف عبید النبی العثماني الشطاري نسخ اللہ الاثام من انصائف الاعمال طول الامانی و الامان و بدل سیئاتہ بالجنات و الخطا ط — آمین یا رب العالمین»

## قاضی نور الدین ششتری (۹۵۶ - ۱۰۱۲ھ)

نور الدین سید شریف، مرعشی حسینی ۹۵۶ھ/ ۱۵۲۹ء میں پیدا ہوئے وہ مرعشی سادات کے نامور خاندان سے تھے۔ جو ششتری میں آکر آباد ہو گیا تھا۔  
 انھوں نے جوانی مشہد میں گزاری۔ وہاں سے ۵۸۲ھ میں ہندوستان آئے۔ جہاں انھیں حکیم ابو الفتح گیلانی کا لقب حاصل ہو گیا۔ جس نے انھیں شہنشاہ اکبر کے حضور میں پیش کیا۔ اکبر نے انھیں شیخ معین (م ۹۹۵ھ) کی جگہ لاہور کا قاضی مقرر کر دیا۔<sup>(۱)</sup>  
 ملا عبد القادر بدایونی تحریر کرتے ہیں ”کہ اگرچہ وہ شیعہ عالم تھے لیکن ایک منصف مزاج پیر سیرگار اور عالم با عمل تھے۔“<sup>(۲)</sup>

طبقات اکبری کے مولف رقمطراز ہیں۔

”امروز بقضائے لاہور مشغول است و بدیانت و امانت و فضائل و کمالات انصاف دارد۔“<sup>(۳)</sup>

آئین اکبری میں ان کا ذکر منقولات کے علماء کی فہرست میں کیا گیا

ہے۔<sup>(۴)</sup>

عام روایت یہ ہے کہ وہ جہانگیر کے عتاب میں آگئے۔ اس نے ۱۰۱۲ھ

(۱) تذکرہ علماء ہند/ ۵۳۲ تا ۵۳۳، دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ ۲۹/۵، نزم تیموریہ ۱۱۶

(۲) منتخب التواریخ/ ۱۳۷

(۳) طبقات اکبری ۲/ ۴۶۷

(۴) آئین اکبری ۱/ ۱۶۷

میں ان کو درجے لگوائے جس سے ان کی موت ہوئی۔ شیعی تذکرہ نویس اور اس فرقے کے عالم الفیں شہادت کا درجہ دیتے ہیں۔<sup>(۱)</sup> اور الفیں شہید ثالث کا لقب دیتے ہیں۔

قاضی صاحب نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں جن میں سے درج ذیل ہیں۔

حاشیہ علی البیضاوی، حاشیہ شرح جدید علی التجرید، احقاق الحق وازہاق الباطل، مجالس المؤمنین (شیخ مشاہیر کا تذکرہ) مصائب النواصب حواشی تفرید العقائد وغیرہ۔<sup>(۲)</sup>

---

(۱) نیرم تیموریہ ۱۱۸/۲

(۲) دائرہ معارف بذیل مادہ ۴۹۰/۵، نیرم تیموریہ ۱۱۹/۲

باب سوم

شاهیانی عهد

۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء میں باپ کے انتقال کے بعد شہزادہ خرم معروف بہ شاہ جہاں تخت نشین ہوا۔ وہ ایک سلیم المزاج، علم نواز، فن دوست اور شریف طبع تھا۔ متانت و سنجیدگی، عدل و انصاف اور رحم و کرم اسکی فطری صفات میں سے ہیں۔ شاہ جہاں کے عہد میں دولت و ثروت نے بے انتہا عروج حاصل کیا۔ مالگزاری عہد اکبری کی نسبت دوگنی سے زیادہ ہو گئی تھی جبکہ اجناس کے نرخ ویسے ہی ارزاں رہے۔ "مغل حکمرانوں میں شاہ جہاں نے جس قدر عوام اور اہل علم و عرفان پر خرچ کیا اسکی نظیر نہیں ملتی۔ بیس سالہ عہد حکومت میں ساڑھے نو کروڑ روپے صرف خیرات اور اعانات میں صرف کئے۔

شہزادہ خرم کی تخت نشینی کو ابھی تین ہی برس گزرے تھے کہ دکن کے حاکم خان جہاں لودھی نے بغاوت کردی جس سے مغلیہ سلطنت کے لئے دشواریاں کھڑی ہو گئیں۔ مگر جلد ہی بغاوت کو کچل دیا گیا۔ شاہ جہاں کے قابل سپہ سالاروں نے دولت آباد اور احمد نگر کی سلطنت مغلیہ حکومت میں شامل کر کے شورشوں کی جڑ ہی اکھاڑ پھینکی۔ شاہ جہاں کی حکمت عملی اور اس کے سپہ سالاروں کے تدبیر سے بیجا پور اور گولکنڈہ کے حکمرانوں نے ہتھیار ڈال کر صلح کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اس وقت قندھار ایران کے تصرف میں تھا۔ حاکم قندھار شاہ جہاں سے آکر مل گیا اس لئے وہ بھی مغلیہ سلطنت کے زیر نگیں آ گیا۔ لیکن ایرانیوں نے جلد ہی واپس لے لیا۔ اس کے بعد شاہ جہاں نے بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا۔



شاہ جہاں کو عمارتیں بنوانے کا بہت شوق تھا۔ اکبر آباد، دہلی، لاہور اور قندھار کی خوبصورت عمارتیں آج بھی اسکی نفاست پسندی کی زندہ مثالیں ہیں۔ اس نے قلعے، مساجد، مقبرے، روضے، بارغ، پل غرض ہر قسم کی تعمیرات میں جدت و ندرت اور عمدگی کا خاص طور پر خیال رکھا ہے۔ ان میں سے دہلی کا لال قلعہ، جامع مسجد دہلی اور آگرہ کے تاج محل میں ایک خاص شان اور رعنائی پائی جاتی ہے۔ تاج محل کو دنیا کے عجائبات میں شمار کیا جاتا ہے۔

فن موسیقی میں شاہجہانی عہد نے اکبر اور جہانگیر کے عہد سے بھی زیادہ ترقی کی۔ تان سین کا داماد لال خاں اور ایک اور ماہر موسیقار جگن ناتھ اس عہد میں بہت مقبول ہوئے۔ لال خاں کو ”گن سمندر“ کا خطاب دیا گیا۔<sup>(۱)</sup> موسیقی کے علاوہ شبیہ سازی، خطاطی، آرائشی کندہ کاری اور نگینہ کاری جیسے فنون کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی۔ الغرض سابق مغل سلاطین کی طرح شاہ جہاں کے زیر اثر بھی علم و ادب اور فنون لطیفہ کو غیر معمولی فروغ نصیب ہوا۔

علم دوستی اور ادب نوازی کی وجہ سے بڑے بڑے علماء، انشاء پرداز مورخین اور شعراء اس کے دربار سے وابستہ تھے۔ خود اس کے دو بیٹے داراشکوہ اور اورنگ زیب ممتاز صاحب تصنیف اور انشاء پرداز تھے۔ اس کی بیٹی جہاں آراء بیگم نے مولنس الارواح کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی۔ اسی طرح اس کے بعض امراء اور عمائدین سلطنت بھی صاحب تصنیف گذرے ہیں۔

علماء، مشائخ، مورخین، مصنفین، ادباء اور شعراء کے لئے مدد معاش یا وظائف کا تقرر، انھیں انعام و اعزاز سے نوازنا — شاہانِ مغل کا گویا ایک عام معمول

(۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۴، ص ۲۹ و بعد

تھا۔ شاہ جہاں نے ان روایات کا نہ صرف پاس و لحاظ رکھا بلکہ ان میں مزید وسعت پیدا کی۔ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جب بھی اس کے دربار میں پہنچے ان کی خدمت میں بیش بہا نذرانہ پیش کیا۔ دو مرتبہ بادشاہ نے انھیں چاندی کے ساتھ تولا اور ہر دفعہ وہ چاندی (چھ لاکھ روپیہ) انھیں انعام میں دی گئی۔ کئی دیہات جاگیر کے طور پر ملے۔ چنانچہ وہ فراغ خاطر کے ساتھ درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہے۔<sup>(۱)</sup>

قاضی محمد اسلم ہروی کو ان کے ہموزن روپے عطا کئے جو تعداد میں چھ ہزار تھے۔ ایک اور موقع پر انھیں دس ہزار روپے دیئے۔<sup>(۲)</sup> ملا محمد جوینپوری نے ایک ایرانی عالم کو جو بے بصری کے باوجود محققات میں زبردست مہارت رکھتے تھے مناظرہ میں شکست دی تو شاہجہاں نے فرط مسرت میں ایک طشت چاندی اور سونا ان پر بچھا دیا اور ان کے مدرسہ کے لئے جاگیر عطا کی۔<sup>(۳)</sup>

شاہجہاں کی اسی فیاضانہ زریاشی کی وجہ سے علوم و فنون نے بے حد ترقی کی۔ عربی زبان کو اس عہد میں جو فروغ نصیب ہوا اس پر ہندوستان بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ محمود جوینپوری کی ”الشمس البازغة“ عبدالحکیم سیالکوٹی کی ”الدماة الثمينة“ اور عبد الرشید جوینپوری کی ”الاداب الرشیدیہ“ کا شمار عربی زبان کی مایہ ناز تصانیف میں ہوتا ہے۔ شاہجہانی عہد میں عربی زبان و ادب کی جو خدمات ہوئیں ان کی تفصیل و توضیح آئندہ صفحات میں درج ہے۔

(۱) حدائق الحنفیہ: ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵۲۲، ۱۵۲۳، ۱۵۲۴، ۱۵۲۵، ۱۵۲۶، ۱۵۲۷، ۱۵۲۸، ۱۵۲۹، ۱۵۳۰، ۱۵۳۱، ۱۵۳۲، ۱۵۳۳، ۱۵۳۴، ۱۵۳۵، ۱۵۳۶، ۱۵۳۷، ۱۵۳۸، ۱۵۳۹، ۱۵۴۰، ۱۵۴۱، ۱۵۴۲، ۱۵۴۳، ۱۵۴۴، ۱۵۴۵، ۱۵۴۶، ۱۵۴۷، ۱۵۴۸، ۱۵۴۹، ۱۵۵۰، ۱۵۵۱، ۱۵۵۲، ۱۵۵۳، ۱۵۵۴، ۱۵۵۵، ۱۵۵۶، ۱۵۵۷، ۱۵۵۸، ۱۵۵۹، ۱۵۶۰، ۱۵۶۱، ۱۵۶۲، ۱۵۶۳، ۱۵۶۴، ۱۵۶۵، ۱۵۶۶، ۱۵۶۷، ۱۵۶۸، ۱۵۶۹، ۱۵۷۰، ۱۵۷۱، ۱۵۷۲، ۱۵۷۳، ۱۵۷۴، ۱۵۷۵، ۱۵۷۶، ۱۵۷۷، ۱۵۷۸، ۱۵۷۹، ۱۵۸۰، ۱۵۸۱، ۱۵۸۲، ۱۵۸۳، ۱۵۸۴، ۱۵۸۵، ۱۵۸۶، ۱۵۸۷، ۱۵۸۸، ۱۵۸۹، ۱۵۹۰، ۱۵۹۱، ۱۵۹۲، ۱۵۹۳، ۱۵۹۴، ۱۵۹۵، ۱۵۹۶، ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ۱۵۹۹، ۱۶۰۰، ۱۶۰۱، ۱۶۰۲، ۱۶۰۳، ۱۶۰۴، ۱۶۰۵، ۱۶۰۶، ۱۶۰۷، ۱۶۰۸، ۱۶۰۹، ۱۶۱۰، ۱۶۱۱، ۱۶۱۲، ۱۶۱۳، ۱۶۱۴، ۱۶۱۵، ۱۶۱۶، ۱۶۱۷، ۱۶۱۸، ۱۶۱۹، ۱۶۲۰، ۱۶۲۱، ۱۶۲۲، ۱۶۲۳، ۱۶۲۴، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷، ۱۶۲۸، ۱۶۲۹، ۱۶۳۰، ۱۶۳۱، ۱۶۳۲، ۱۶۳۳، ۱۶۳۴، ۱۶۳۵، ۱۶۳۶، ۱۶۳۷، ۱۶۳۸، ۱۶۳۹، ۱۶۴۰، ۱۶۴۱، ۱۶۴۲، ۱۶۴۳، ۱۶۴۴، ۱۶۴۵، ۱۶۴۶، ۱۶۴۷، ۱۶۴۸، ۱۶۴۹، ۱۶۵۰، ۱۶۵۱، ۱۶۵۲، ۱۶۵۳، ۱۶۵۴، ۱۶۵۵، ۱۶۵۶، ۱۶۵۷، ۱۶۵۸، ۱۶۵۹، ۱۶۶۰، ۱۶۶۱، ۱۶۶۲، ۱۶۶۳، ۱۶۶۴، ۱۶۶۵، ۱۶۶۶، ۱۶۶۷، ۱۶۶۸، ۱۶۶۹، ۱۶۷۰، ۱۶۷۱، ۱۶۷۲، ۱۶۷۳، ۱۶۷۴، ۱۶۷۵، ۱۶۷۶، ۱۶۷۷، ۱۶۷۸، ۱۶۷۹، ۱۶۸۰، ۱۶۸۱، ۱۶۸۲، ۱۶۸۳، ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، ۱۶۸۶، ۱۶۸۷، ۱۶۸۸، ۱۶۸۹، ۱۶۹۰، ۱۶۹۱، ۱۶۹۲، ۱۶۹۳، ۱۶۹۴، ۱۶۹۵، ۱۶۹۶، ۱۶۹۷، ۱۶۹۸، ۱۶۹۹، ۱۷۰۰، ۱۷۰۱، ۱۷۰۲، ۱۷۰۳، ۱۷۰۴، ۱۷۰۵،

## ملا محمد جو نیوری (۱۰۴۲ - ۱۰۱۵ھ)

نام و نسب اور خاندانی حالات :-

ملا محمد بن شیخ محمد بن شیخ بڑھ (بڑے) بن شیخ محمد بن شیخ قاضی منجھن (قاضی معین) بن شیخ چاند بن شیخ معروف ثانی بن شیخ مشید بن شیخ معروف اول بن شیخ محمد بن شیخ خضر بن شیخ سلطان<sup>(۱)</sup> تا امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ - اس طرح ملا محمد فاروقی النسب ہوتے ہیں۔ اور سلسلہ مادری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اس واسطے سے آپ عثمانی ہیں۔ گویا آپ نجیب الطرفین ہیں۔

ملا محمد کے قدیم ترین مواری ماخذ ہیں۔ ان کے بہنوئی گھم سبق، رشتہ دار، ہم وطن اور معاصر مولانا شاہ ابوالخیر فاروقی (م ۱۰۵۹ھ) کی کتاب ”شیر و شکر“ ہے۔ انھوں نے ملا محمد کے خاندان کے سلسلہ میں اپنی مذکورہ کتاب میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق ”اس خاندان کے جد امجد شیخ خضر اور ان کے صاحبزادے شیخ محمد دہلی سے جو نیور تشریف لائے۔ شیخ خضر نے حضرت شیخ ابو الفتح رکن الدین بن شیخ الاسلام زکریا ملتانی سے سلسلہ سہروردیہ میں بیعت کر کے خلافت حاصل کر لی تھی اور وہ اس سلسلہ کے مشائخ کبار میں شمار ہوتے تھے۔ بعد میں وہ ملتان سے دہلی چلے آئے اور یہیں ان کے صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے۔ جو اپنے والد سے تعلیم و تربیت حاصل کر کے ان کی حیات ہی میں مرجع خاص و عام بن گئے۔ اس زمانے میں تیموری حملہ کی وجہ سے دہلی پر آشوب تھی اور وہاں کے بہت سارے ارباب اہل فضل و

کمال جوینپور کی طرف ہجرت کر رہے تھے۔ یہ سلطان ابراہیم شرقی کا دور تھا۔ وہ اہل علم کا قدردان تھا اور جوینپور دارالعلم اور دہلی ثانی بنا ہوا تھا۔ چنانچہ شیخ محمد بن خضر اور ان کے خاندان نے بھی جوینپور کا رخ کیا۔ یہ حضرات جوینپور کے محلہ سپاہ کے کھلے میدان میں درختوں کے سائے میں فروکش ہو گئے۔ سلطان ابراہیم کو جب اطلاع ہوئی تو اس نے مکان کا انتظام کیا۔ اس کے بعد یہ خاندان مستقل طور پر یہیں اقامت گزریں ہو گیا۔ یہ نویں صدی ہجری کی ابتدائی دہائیوں کا واقعہ ہے۔ شیخ وشد میں ہے کہ سلطان ابراہیم نے شیخ محمد کو کوئی عہدہ قبول کرنے کی درخواست کی مگر آپ نے عذر فرما دیا۔

جوینپور کے اصاغر و اکابر شیوخ بھی شیخ محمد سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ امراء اور اعیان حکومت بھی آپ کے یہاں حاضری دیتے تھے۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی اکثر ان کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے۔ شیخ محمد صاحب تصانیف عالم تھے حاجی ابوالخیر نے تصریح کی ہے ”حضرت محمد قدس سرہ رادرایام تحصیل وعین حیات پدر بزرگوار تصانیف وتوالیف در علوم دینیہ وامروز اثرے ازل نیست۔“ ان کی وفات ۳ جمادی الاولیٰ ۸۱۱ھ میں جوینپور میں ہوئی۔“

شیخ محمد کی وفات کے بعد سلطان ابراہیم شرقی نے شیخ مشید بن شیخ معروف اول بن شیخ محمد کو ان کی جگہ کامند نشین بنایا۔ یہ بھی اپنے پیشروں کی طرح زاہد اور متوکل علی اللہ تھے۔ سلطان نے کچھ مواضعات خالقاہ ودیگر اخراجات کے لئے نذر کرنا چاہا مگر آپ نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بالآخر سید اجل کے بہت زیادہ اصرار کے بعد پیر گنہ محمد آباد کے ولید پور سمیت

بارہ دیہات قبول کر لئے۔ جہاں اس خانوادے کے اکثر افراد آکر آباد ہو گئے۔  
شمس الدین حیدری نے مناقب غوثیہ کے باب ہشتم میں لکھا ہے  
”سلطان ابراہیم از تعزیت نہایت کوفتہ شد آخر الامر حضرت مشید را صدر و جانشین  
آں مسند محتشم گردانید بکمال نیاز مندی در پیگنہ محمد آباد قریہ ولید پور بود  
بادیگر مواضع در وجہ معاش مقرر داشت“<sup>(۱)</sup>

قاضی منجن ملا محمود کے جد اعلیٰ جو پیور میں عہدہ قضا پر فائز رہے  
تھے۔ قاضی صاحب کے صاحبزادے کا نام شیخ محمود تھا۔ یہ شیخ محمود ملا محمود کے  
پیردادا ہیں۔ ان ہی شیخ محمود کے ایک صاحبزادے شیخ بڑھ تھے۔ ان کے پانچ  
لڑکے تھے۔ بڑے کا نام شیخ محمد تھا یہی ملا محمود کے والد ہیں۔ یہ بھی اپنے وقت  
کے بہت بڑے بزرگ اور اللہ والے تھے۔<sup>(۲)</sup>

قاضی اطہر مبارکیوری نے ملا محمود جو پیوری کے خاندانی حالات پر بہت  
تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

### ولادت :-

مولانا ابوالخیر کی روایت کے مطابق ملا محمود جو پیوری کی پیدائش  
رمضان المبارک ۱۰۱۵ھ میں ہوئی۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔ ”ولادت باسعادتش درماہ  
مبارک سنہ ہزار و پانزدہ واقع شد۔“ ان کی جائے پیدائش جو پیور ہے جیسا کہ خود  
انہوں نے ”الفرائد“ کے شروع میں تحریر فرمایا ہے۔ ”امالہ فیقول العبد الملتجی  
الی ربہ الصمد محمود بن محمد الفاروقی محمد الحوٹفوری مولدا“<sup>(۳)</sup>

(۱) معارف مئی ۱۹۷۳ء / ۳۳۷

(۲) حوالہ بالا / ۳۳۸ تا ۳۴۱

(۳) معارف جون ۱۹۷۳ء / ۲۲۲

صاحب نزهة الخواطر نے محمود جوینی کی ولادت ۹۹۳ھ بتائی ہے  
 ”جوشیر و شکر“ جیسے قدیم ترین مآخذ سے معارض ہے۔ معاصرت، قرابت داری  
 اور ہم وطنی کی بنا پر شاہ ابوالخیر کی روایت کا صحیح ہونا قرین قیاس ہے۔ جن حضرات  
 نے ملا محمود کی جائے پیدائش محمد آباد پیرگنہ کا ولید پور گاؤں۔ جو کہ ملا صاحب کا  
 داد ہمال تھا۔ بتایا ہے وہ ملا صاحب کی تصریح کے مقابلہ میں مرجوح ہے۔ جوینیور  
 میں ملا محمود کی نانہمال تھی اور یہیں پر آپ کی پیدائش ہوئی۔  
**تعلیم**

ملا صاحب کی تعلیم کے سلسلے میں ان کے صرف تین استادوں کے نام  
 ملتے ہیں۔ ایک ان کے نانا شیخ شاہ محمد ہیں۔ مولف بارغہ نے ان سے ابتدائی تعلیم  
 بالخصوص ادب اور عربیت حاصل کی۔ ”تذکرہ نویس تحریر کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے  
 ”جد“ شیخ محمد سے درسی کتب پڑھیں۔“ (۱) لیکن شاہ ابوالخیر ملا صاحب کے ہم سبق  
 تحریر کرتے ہیں۔ ”بعد ختم قرآن در تحصیل علوم ادبیہ در خدمت جد مادری آغاز کردند  
 و سن برابر بود“ (۲)

شاید تذکرہ نگاروں کو لفظ ”جد“ سے مغالطہ ہوا جس کا اطلاق جد  
 حقیقی اور دادا پر ہوتا ہے۔ نانا کے لئے ”جد فاسد“ یا ”جد من الام“ بولا جاتا ہے۔  
 ویسے بھی شیخ محمد جو ان کے سلسلہ کے ہیں ملا صاحب کے پردادا ہیں۔ ملا صاحب  
 کے دادا تو شیخ بڑھ ہیں۔ شاہ ابوالخیر نے تصریح کر دی کہ ”میں نے اور ملا محمود  
 نے ان کے نانا سے علوم ادبیہ یعنی نحو، صرف اور ادب وغیرہ کی تعلیم حاصل کی۔“

(۱) نزهة الخواطر، ج ۵/ ۳۹۷، تذکرہ علمائے ہند / ۲۸۶

(۲) معارف جون ۱۹۷۳ء / ۲۲۸

دوسرا نام ملا محمد افضل بن حمزہ عثمانی جو نیپوری ماہِ ندرانی کا ہے۔  
یہی وہ فردِ وحید ہیں جن کے سامنے ملا محمود نے زانوئے تلمذ طے کئے۔ ملا محمد افضل  
اپنے وقت کے مشہور عالمِ فلسفی، منطقی اور ایک زبردست معقولاتی عالم تھے۔ یورپ  
میں کیا بلکہ یورپ سے اسلامی ہند میں ان کی حکمت و فلسفہ دانی کا چرچا تھا۔ تشنگانِ علم دور  
و دراز سے آکر ان کے دریائے علم سے اپنی تشنگی دور کیا کرتے تھے۔ جو نیپور کا تذکرہ اس وقت  
تک مکمل نہیں مانا جاسکتا جب تک اس میں ملا محمد افضل اور ان کے حلقہٴ درس کا  
تذکرہ نہ ہو۔ اس باکمال شخص سے ملا محمود نے حکمت و فلسفہ کا علم اخذ ہی نہیں کیا بلکہ  
اسے بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ اور بالاتفاق اہل تاریخ صرف سترہ سال کی کم عمری میں  
یگانہ معقولات عالم بن گئے۔ ملا محمد افضل کو بھی اپنے اس لائق اور ہونہار طالبِ علم  
پر بجا فخر تھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ”از وقتہ کہ علامہ تغارانی و جرجانی از عالم رفتہ اند  
کسے اجتماع دو فاضل و بایں فضیلت در یک شہر نشان نہ دارد یعنی ملا محمود  
و شیخ عبدالرشید“<sup>(۱)</sup>

تیسرا نام ان کے اساتذہ کے سلسلے میں ملا شمس نور بیرونوی کا  
لیا جاتا ہے۔ ”صاحب تجلی نور لکھتے ہیں کہ مولانا دیوان عبدالرشید اور ملا محمود نے ان  
سے پڑھا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

### ملا محمود شاہ بھال کے دربار میں

ملا صاحب فراغت کے بعد جو نیپور میں درس و تدریس اور افادہٴ خلق  
خدا میں مشغول ہو گئے اور چند ہی دنوں میں آپ کی شہرت و قابلیت اور فلسفہ

(۱) مآثر الکرام دفتر اول/ ۲۰۳

(۲) معارف جون ۱۹۷۳ء/ ۲۲۸

وحکمت دانی کا ماتا باب درخشاں و درخشاں ہو گیا۔ اور اس کی کرنیں جو نیور کے مدرسے کی چہار دیواری سے نکل کر دار الخلافہ آگرہ پر پڑنے لگیں۔ ”چنانچہ قدرداں بادشاہ شاہجہاں نے بہ صد عجز و نیاز آپ کو دار الخلافہ طلب کیا اور فضلاء شاہی میں شامل کر کے منصب صدی ذات سے نوازا۔ جب ملا صاحب آگرہ کے قریب پہنچے تو بادشاہ کے حکم سے سعد اللہ خان وزیر نے شہر سے یاہر ان کا استقبال کیا۔ شاہجہاں نے انھیں اپنے پہلو میں جگہ دی۔“ (۱)

معلوم ہوتا ہے کہ ملا محمود دربار شاہجہانی میں کئی بار گئے ہیں۔ گو مستقل طور پر جو نیور ہی میں رہتے تھے مگر بوقت ضرورت دربار میں آنا جانا رہتا تھا۔ آزاد بلکرای کا بیان ہے کہ ”ملا محمود نے شاہجہاں بادشاہ کو رصد گاہ کی تعمیر کے لئے آمادہ کیا تھا۔ لیکن وزیر نے بعض وجوہ کی بنا پر شاہجہاں کی توجہ اس طرف سے ہٹا دی اور یہ جواز پیش کیا کہ اس وقت بلخ کی مہم درپیش ہے۔ اور رقم کی زیادہ ضرورت ہے۔ ملا محمود نے رصد گاہ کے لئے جو جگہ تجویز کی تھی کچھ مدت کے بعد معلوم ہوا کہ سابق بادشاہوں میں سے کسی نے یہی جگہ رصد کے لئے پسند کی تھی۔“ (۲) چنانچہ آپ کبیدہ خاطر ہو کر واپس جو نیور تشریف لے آئے اور درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔

صبح صادق کا مؤلف علامہ موصوف کے شاگردوں میں سے ہے۔ اس کی روایت ہے کہ جب مولانا نے تکمیل علم کرنی تو دار الخلافہ الکبر آباد کی طرف گئے اور آصف خان سے ملے جو سلطان شاہجہاں کے امراء عظام میں سے تھے اور حکومت

(۱) معارف جون ۱۹۳۳ء / ۳۳۲

(۲) مآثر الکرام دفتر اول / ۳ - ۲۰۲



کے رکن رکین تھے۔ پھر مولانا محمود جون پور چلے آئے اور درس دینے لگے۔<sup>(۱)</sup>

### منظرہ :-

غیر ملک سے جب بھی کوئی عالم اور یکتائے روزگار شخص دربار شاہجہاں میں وارد ہوتا تھا اور اپنے علم و کمال کا سکہ اہل دربار پر بٹھانا چاہتا تو اسے ہندوستان کے ارباب فضل و کمال سے مناظرہ کرنا پڑتا تھا۔ شاہجہاں کے دربار میں اکچ نامی ایک ایرانی عالم آیا وہ شخص نابینا تھا۔ بصارت سے محروم لیکن بصیرت میں اعلیٰ درجہ رکھتا تھا۔ اس کے فلسفہ و حکمت کا چرچا ہونے لگا۔ چنانچہ نے شاہجہاں نے اس کے مقابلہ کے لئے ملا محمود جو نیوری کو دربار میں بلایا۔ ملا صاحب نے اکچ ایرانی فلسفی کی ہر دلیل کا ایسا کافی و شافی جواب دیا کہ تمام حاضرین ان کی تعریف کرنے لگے۔ آخر میں ایرانی فلسفی نے ملا صاحب سے کہا کہ اگر آپ کے پاس اثبات ہیولی کی کوئی دلیل ہو تو بیان کیجئے۔ ملا صاحب نے اثبات ہیولی پر اپنا رسالہ ”الدوحة الميادرة في حقيقة الصورة والمادة“ پیش کیا۔ اور اس کے علاوہ اثبات ہیولی پر چند دلائل بھی پیش کئے۔ ان کو سن کر اکچ بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھا۔ ملا صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اپنی کمر کا خنجر کھول کر ان کی کمر میں باندھا اور ان الفاظ میں ملا صاحب کے فضل و کمال کا اعتراف کیا۔

”جو انے بایں فہم و فراست از ولایت ایران تا ہندوستان کمتر یافتہ“

جب وہ رخصت ہونے لگا تو شاہجہاں نے اسے قیمتی تحائف پیش کئے۔

اس نے کہا کہ ان تحائف میں ملا صاحب کی کتابیں پیش کی جائیں۔ ملا صاحب نے

دربار میں فرمایا کہ یہ عالم بہت غیور ہے ممکن ہے اس صدمہ سے جانبر نہ ہو سکے۔

ملا صاحب کی دور فہمی اور پیش گوئی درست ثابت ہوئی اور وہ تیسری منزل پر جا کر ختم ہو گیا۔<sup>(۱)</sup>

بیت :-

اگرچہ ملا صاحب میں حکمت و فلسفہ، ادب و عربیت کا رنگ نمایاں تھا مگر وہ خاندانی دولت روحانیت، تصوف، سلوک اور مشیخت میں بھی وافر حصہ رکھتے تھے۔ مادری اور پیری دونوں سلسلوں میں احسان و معرفت اور زہد و تقویٰ ورثے میں ملے تھے۔ مگر ملا صاحب کو ظاہری علوم نے سجادہ و خانقاہ سے ہٹا کر مدرسہ و دربار میں پہنچا دیا تھا مگر جب ایک صاحب دل کی نگاہ کیمیا اثر نے کام کیا تو تمام باطنی کیفیات ظہور میں آ گئیں۔ ”اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ شاہ بچھاں لاہور گیا تھا جلو میں ملا محمود اور عبد الحکیم سیالکوٹی بھی تھے۔ تینوں میاں میر لاہوری کی خدمت میں پہنچے مگر اقلیم توکل نے اس طرف توجہ بھی نہ کی اور نیچے منہ کئے بیٹھ رہے تو دونوں شہنشاہوں نے عالمانہ شان میں میاں میر سے کہا ”توجہ بہ علما نہ کردن چہ معنی دارد“ میاں جی نے کوئی جواب نہ دیا اور اندر سے کھیل لاکڑ کچھایا اور خود موڈ پر ہو کر بیٹھے اور ان دونوں فاضلوں کو بٹھایا اور فرمایا میں جاہل ہوں ماشاء اللہ آپ حضرات تو عالم ہیں ذرا اس شعر کا مطلب سمجھا دیں بہ

مباد اول آں فرومایہ شاد

کہ از بہر دنیا دہد دیں بیاد

یہ سنتے ہی ملا عبد الحکیم سیالکوٹی پیر گریہ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ اور ملا محمود اتنے متاثر ہوئے کہ اسی وقت درباری زندگی ترک کر کے جوینور آگئے اور باقی زندگی

تدریس و تصنیف میں گزار دی<sup>(۱)</sup>

اسی سلسلہ کی ایک کڑی وہ واقعہ بھی ہے کہ ملا محمود کے ایک شاگرد رشید ملا محمد صادق بن ملا شمس نور بیرونوی جو پوری (۱۰۶۲ھ) جو بہت بڑے عالم، عابد، زاہد اور بڑے پایہ کے بزرگ تھے انھوں نے ایک مرتبہ اپنے استاد ملا محمود کی موجودگی میں خود امامت کی اور اس کی توجیہ یہ بیان کی۔ ”در کلام حکما شبہ ایمان می دارم بہر این نماز خود را ضائع نہ نمودم“ ملا محمود اپنے شاگرد کی یہ بات سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا ”الحمد لله از شاگردان خود یک عالم با عمل بود و مرد زاہد یافتیم“<sup>(۲)</sup>

آزاد بکراہی کی روایت کے مطابق ”ملا محمود نے شجاع بن شاہجہاں کی درخواست پر بنگال جاتے ہوئے شیخ نعمت اللہ بن عطاء اللہ فیروز پوری (۱۰۶۲ھ) سے بنگال میں بیعت کر لی اور شیخ طریقت سے ذکر و اذکار کی تعلیم بھی حاصل کی“<sup>(۳)</sup> یہ واقعہ ملا محمود کی وفات سے دس سال قبل کا ہے۔

### تکلفہ :

یہ بھی تاریخ کا عجیب واقعہ ہے بالخصوص اسلامی ہندوستان کا کہ یہاں کے صف اول اور یگانہ آفاق اساتذہ کرام کے شاگردوں کی تعداد لیس اعلیٰ ہو سکتی ہے۔ وہ اہل علم جنہوں نے کئی دہائیوں تک اپنے فضل و کمال کا ڈکھا بجایا اور ایک طویل زمانے تک اپنے حلقہ درس سے طالبان علم کو فیضیاب کرتے

(۱) معارف بحوالہ تجلی نور/ جون ۱۹۷۳ء/ ۳۹

(۲) معارف جون ۱۹۷۳ء/ ۴۲

(۳) نزهة الخواطر، ج ۵/ ۳۹۸

رہے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ وہ قیاس اور عقل سے بعید تر ہے۔ ملا محمود کے شاگردوں میں ایک نام شاہ شجاع بن شاہ بچھاں کا ہے جس نے بقول آزاد ”ملا صاحب سے علم حکمت کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ دوسرا نام امیر الامراء نواب شالہ خان الیر آبادی کا ہے جس نے ان سے ”فرائد محمودیہ“ پڑھی۔ تیسرا نام شیخ نور الدین جعفر جوینوری کا ہے۔ چوتھا عبد الباقی بن غوث الاسلام صدیقی مولف ”آداب باقیہ“ (۱) کا اور پانچواں نام ملا محمد صادق بن ملا شمس بیرونوی جوینوری کا ہے۔“ (۲)

ان کی آل و اولاد کا تذکرہ اہل تاریخ یا کُل نہیں کرتے ان کی خاموشی سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ملا صاحب تا عمر مجرد رہے ہوں۔ یقین تو کیا شک کے دائرہ میں بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ملا محمود صاحب اولاد تھے بھی یا نہیں۔

### وفات

ان کا انتقال ۹ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ / ۱۹ فروری ۱۶۵۲ء کو جوینور میں ہوا۔ شہر سے باہر ان کا مقبرہ مشہور ہے۔

ان کی وفات سے ان کے استاد ملا محمد افضل کو اس قدر رنج ہوا کہ چالیس دن وہ سکرائے بھی نہیں اور چالیس دن کے بعد استاد بھی شاگرد سے جا ملے۔

(۱) نزهة الخواطر، ج ۵ / ۳۹۸

(۲) معارف جون ۱۰۹۳ھ / ۲۲

## علمی نظام :

### علوم دینیہ :

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ ملا محمود جو نیوری فلسفہ و حکمت کے فاضل بیحدیل، جامع معقولات، علامہ اشراقیین، نقاد مشائین اور علوم حکمت کے بحر ذخار تھے۔ مگر محمد صالح کبنوہ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علوم دینیہ کے عالم پہلے تھے اور فلسفی بعد میں۔ وہ تحریر کرتے ہیں۔

”اما قلم فی بعض رقص در حالت تحریر تفسیر کلام الہی و تعبیر حقائق اشیا کما ہی بعنوان تصنع و تقنن بکاری برد کہ بر نقش کلکش دعوی فضیلت معنی پردازی آں جناب رازبان می دہد و سخنان ارجمندش بعلاقہ غرائب معنی در صدر انجن دہائے واللہ فطرتان اقامت انداز گشتہ“<sup>(۱)</sup>

امام الدین ریاضی کی تصریح ہے: ”در تفسیر و حدیث و حکمت مہارت تمام داشت“<sup>(۲)</sup>

ان دونوں عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ملا محمود کو قرآن کریم کی تفسیر میں یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ اور مزید یہ کہ انھیں آیات قرآنی سے عجیب و غریب نکات پیدا کرنے میں کمال حاصل تھا۔ اور یہ نکتہ آفرینی تفسیر بالرائے کے مصداق نہ تھی۔ بلکہ قرآن کریم کے ان اسرار و رموز کا بیان تھا جن تک بہت سے اہل علم کی نظر نہیں جاتی۔ ملا صاحب اپنی خدا دار صلاحیت اور وہی ذہانت کی وجہ سے اس طرح کے مخفی جواہر طلبہ علم کے سامنے پیش کرتے تھے۔ اگرچہ ملا صاحب کی موجود و مذکور تالیفات میں

(۱) محل صالح ج ۲/۳۸۲ - ۳۸۳

(۲) معارف التوہید ۱۹۴۳ء/۲۵۹

کسی کا تعلق بھی قرآن کریم کی تفسیر سے نہیں ہے تاہم وہ علم تفسیر کے ایک زبردست عالم تھے۔

### علوم حکمت :

ملا محمود جو نیپوری کی شہرت بحیثیت ایک عظیم فلسفی کے مسلم الثبوت ہے۔ وہ نہ صرف اسلامی ہندوستان کے عظیم ترین مفکر تھے بلکہ اسلامی فکر کی تاریخ میں جن عباقرہ نے فکر انسانی کی ثروت میں اضافے کئے ان میں بھی ان کا ممتاز مقام ہے۔ آخری زمانے میں جب جدید کا قدیم سے رشتہ وناطہ ٹوٹ چکا تھا اور فضلاء عہد اپنے اسلاف کی علمی و فکری کاوشوں کو بالکل بھلا چکے تھے وہ ملا محمود جو نیپوری کی عظمت و جلالت قدر اور ان کی انفرادیت کو فراموش نہ کر سکے۔

انھیں حکمت و فلسفہ کی جملہ اقسام ریاضی، حساب اور ہندسہ وغیرہ پر مہارت تامہ اور کامل دسترس تھی اور یہی ظاہری استعداد ملا صاحب میں رصد گاہ بنانے یا تعمیر کمرانے کا داعیہ اور جذبہ پیدا کر رہی تھی اور اسی وجہ سے انھوں نے شاہجہاں کے سامنے یہ درخواست بھی کی مگر شاید اللہ کو منظور نہ تھا۔ یہ حکمت ملا صاحب میں اس قدر راسخ تھی کہ ”ایک مرتبہ ان کا گذر دہلی کے کسی حوض پر ہوا تو انھوں نے اسے دیکھتے ہی بتا دیا کہ اس میں اس وقت اتنا پانی ہے۔ لوگوں نے انداز کیا تو ملا صاحب کی بات درست نکلی۔ پھر لوگوں نے امتحاناً ایک روز حوض میں سے کچھ پانی نکال دیا اور چائیک انھیں بلا کر پوچھا کہ اب اس میں کتنا پانی ہے؟ ملا صاحب نے بتا دیا کہ اس میں سے اتنا پانی نکال دیا گیا ہے۔ اور اتنا باقی ہے۔“<sup>(۱)</sup>

انھوں نے حکمت و فلسفہ پر وہ عظیم الشان کام کیا ہے کہ بعد کے آنے

والے علماء کرام بھی اس علم میں ان کے اور ان کی گراں قدر کتابوں کے خوشہ چین ہیں۔  
آنے والی نسلوں نے ان کے اصول و قواعد کو اساس و مشعل بنایا اور ان سے بلا واسطہ  
یا بالواسطہ استفادہ ضرور کیا ہے۔ ان کی کتابوں کا حل کرنا ہی کسی بھی معقولی کی  
فضیلت و برتری کے لئے کسوٹی سمجھا جاتا ہے ان کی کتابیں بالخصوص ”شمس یازمہ“ تو  
ایک زمانے تک مدارس کے نصاب تعلیم میں شامل رہی۔

ملا صاحب کی علمی کاوشوں اور ان کے مرتبہ عالی کو اہل دانش اور  
اصحاب قلم پیرزور اور پیر شوکت الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ محمد صالح  
تحریر کرتے ہیں: ”سر دفتر علمائے خطہ وجود ملا محمود کہ ضحیر یا کش معانی را مقام  
محمود است و سپہ فضل و دانش را کوکب محمود در شہر صفا پور جو نیور  
پذیرائی سہشت گردیدہ و از آغاز ایام شعور در ابدع بدایع محکمت سخن  
کوشیدہ، مظہر فضل سرمدی و منبع فیض ابدی بود و در انواع فنون دانش  
خصوص علم معقول و منقول و ریاضی و طبیعی و الہی، هیچ کس از ارباب استعداد را  
قوت دعویٰ بر ابروی یارے نبود، اگرچہ در خود دانش و بنیش خود طلاق  
زبان و تقریر لسان نداشت“<sup>(۱)</sup>

مذکورہ تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ فلسفہ و حکمت میں ان کا اس وقت  
کوئی سپہم و شریک نہ تھا اور وہ بلا شرکت غیرے معقولات کے فرد فرید تھے۔ دوسرے  
یہ کہ وہ شاعر بھی تھے۔ اسی وجہ سے محمد صالح نے ان کا تذکرہ شعراء کے ذیل  
میں کیا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان کی قوت گفتار، ان کے قلم جو ہر یار کے مقابلہ کچھ کم تھی۔

وہ تحریر کے شہنشاہ تھے۔ مؤلف مآثر الکرام بیان کرتے ہیں۔

”لقادہ علماء اشراقیین وسلالہ کلاء مشائین است۔ درفتون عقلی و نقلی  
سیاحکت سرآمد افاضل و مشارالیه انا مل بود۔ و کیت قلم در میدان تصنیف  
جولان داد“<sup>(۱)</sup>

ذکاوت و فطانت اور حافظہ و ادراک کا یہ عالم تھا کہ مدت العمر ان کی  
زبان سے کوئی ایسا قول نہ نکلا جس سے بعد میں رجوع کرنا پڑے۔ جب کوئی سائل  
کوئی مسئلہ پوچھتا تھا ذہن حاضر ہوتا تھا تو جواب دیدیتے تھے ورنہ کہہ دیتے اس وقت  
دل جواب کی طرف متوجہ نہیں ہے۔ سبجۃ المرجان کے مصنف کا بیان ہے۔

”ولا سبب انہ لم یظہر بالہند مثل فاروقیین احدہما فی الحقائق و هو

مولانا الشیخ احمد السہندی والثانی فی العلوم الحکمیہ والادبیۃ و هو الملا محمود  
الحونپوری“<sup>(۲)</sup>

(آزاد کہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر فاروقیوں میں مولانا احمد سہندی  
اور ملا محمود کی طرح کوئی پیدا نہ ہوا۔ سابق الذکر علم حقائق میں کامل تھے تو ثانی الذکر  
حکمت و ادب میں لا ثانی تھے۔)

شاہ ابوالخیر فرماتے ہیں۔ ”اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد کو ایک ایسا فرزند مرہت  
فرمایا جو انسانوں اور کائنات میں بے مثال اور مکارم اخلاق کا آفتاب ہے۔ اس فرزند  
کے مختصر طور پر حالات بیان کرنے کے لئے علیحدہ دفتر چاہیے۔ مجل طور پر یہ ہے کہ وہ  
امام اعظم، مولانا مکرّم، جامع مناقب، آفتاب مشرق و مغرب، ملت حنفیہ کے



روشن چراغ، علوم حقیقیہ کے بحر ذخار، مینارہ ہدایت، علامہ مقتدی، ملک علماء  
راستخین، دین و ملت کے افتخار شیخ محمود بن محمد ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے سایہ کو طالبان  
فیض کے سروں پر قائم رکھے“<sup>(۱)</sup>

مشہور معقولی عالم مولانا محمد شریف مصطفیٰ آبادی متوفی ۱۳۷۳ھ تحریر  
کرتے ہیں۔ ”کان علامۃ الاشرافیین ولقادہ المشائین کان من اجل تلامذۃ  
الشیخ محمد افضل الجولفوری“<sup>(۲)</sup>

مولوی رحمان علی لکھتے ہیں: ”اگر ان کے وجود کی بنا پر سرزمین جوئیور  
شیراز پر فخر کرے تو بجا ہے“<sup>(۳)</sup>

ملا محمود کو عربی زبان و ادب پر کماحقہ قدرت تھی۔ ان کی انشاد لکش  
اور اسلوب نگارش سادہ اور متین تھا۔ آزاد تحریر کرتے ہیں۔ ”وحدتہ علی ریاض  
الادب سحابا مطیرا“<sup>(۴)</sup>

علامہ اقبال کو جب معلوم ہوا کہ مسئلہ زمان کے بارے میں ہندوستان  
کے فضلاء نے بھی قابل قدر فکری کارنامے انجام دیئے ہیں تو اقبال نے مولانا سید سلیمان  
نزدئی سے دریافت کیا۔ ”ملا محمود جوئیوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانوں  
میں پیدا ہوئے ہیں۔ ان کے اسماء سے مطلع فرمائیے اگر ممکن ہو سکے تو ان کی بڑی بڑی  
تصانیف سے بھی“<sup>(۵)</sup>

(۱) معارف مئی ۱۹۷۳ء / ۳۳۰

(۲) الافاضۃ القدسیۃ / ۱۶

(۳) تذکرہ علمائے ہند / ۸۶

(۴) سبحة المرجان / ۵۳

(۵) معارف اکتوبر ۱۹۷۳ء / ۲۲۷

## علمی کاوشیں :-

علامہ محمد کی تصانیف کی تعداد اگرچہ کم ہے لیکن جو بھی فکری کاوشیں ان کی یادگار ہیں وہ ان کے نام کو علمی دنیا میں قائم رکھنے کے لئے کافی ہیں۔ ان سے پہلے علامہ کرام، دیگر غیر ممالک کے اہل علم و دانش اور ارباب حکمت و فلسفہ کی تالیفات پر حاشیے ہی لکھتے رہے۔ وہ پہلے علوم عقلیہ کے ماہر ہیں جنہوں نے فلسفہ پر مستقل و منفرد کتاب تصنیف کی۔ یہ مقام و مرتبہ صرف ”الشمس البازغة“ کے مصنف کو ہی حاصل ہے کہ ان کی ایک کتاب کبیر صغیر کے مدارس نظامیہ میں سکھ جاری ہو گیا۔

الشمس البازغة :-

یہ قدیم یونانی فلسفہ کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں میں منفرد حیثیت کی حامل کتاب ہے۔ جو بر صغیر پاک و ہند کے عربی مدارس میں سرسے تک رائج رہی اور اسکی مقبولیت و شہرت کو دیگر کتابیں نہ پہنچ سکیں۔ مولانا عبد الحئی ”الثقافة الإسلامية في الهند“ میں تحریر کرتے ہیں۔ ”دوسرے ہندوستانی نثر ادب علمائے فلسفہ کی تصانیف بھی مدارس نظامیہ کے نصاب میں قابل توجہ سمجھی جاتی رہی ہیں۔ جیسے قاضی محب اللہ بہاری کی کتاب ”الجوہر الفردی فی جزء الذی لا یتجزأ“ ملاحن لکھنوی کی ”غایۃ العلوم فی العلم الطبیبی اور شیخ فضل حق خیر آبادی کی کتاب ”العبدۃ الحیدۃ“ مگر ”الشمس البازغة“ کی مقبولیت اور مقام کو کوئی بھی نہ پہنچ سکی۔“

علامہ محمد جوہنوری نے ”الشمس البازغة“ کے دیباچے میں حمد و صلوة کے بعد ذکر کیا ہے۔ کہ انہوں نے علم فلسفہ کے متعلق الشمس البازغة کے علاوہ چند

ایک رسائل بھی تحریر کئے تھے جن میں سے وہ ”الدوحة المباداة فی حدیقة الصورة والمادة“ کا ذکر خاص طور سے کرتے ہیں۔ ”الشمس البازغة“ کے مطبوعہ نسخوں کے آخر میں ان کے تین رسائل ”الدوحة المباداة“ ”رسالة فی الکلی والجزئی“ اور ”رسالة فی تحقیق اجتماع النقیضین وارتفاعهما“ بھی حصہ لازم کے طور پر چھپتے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

الشمس البازغة ملا محمد کی ایک اپنی ہی مختصر کتاب ”الحكمة البالغة“ کی شرح ہے۔ مصنف خود کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں۔ ”وشرعت فی کتاب ائینق وشرحه علی نظم رشتیق مسمیاً للمتن بالحكمة البالغة“ والشرح بالشمس البازغة<sup>(۲)</sup>۔

(یعنی ایک طریقے سے میں نے ایک خوبصورت کتاب اور اس کی شرح کا کام شروع کیا۔ متن کو حکمت بالغہ اور شرح کو شمس بازغة کا نام دیا۔) کتاب کے مقدمہ میں وضاحت کرتے ہیں کہ اصل متن یعنی ”الحكمة البالغة“ ان کے طویل تدریسی تجربہ اور سہارت کا نتیجہ ہے۔ ایک طویل مدت تک فلسفہ پڑھنے اور پڑھانے کے بعد جب انھیں اس فن میں مکمل دسترس، عبور اور اعلیٰ صلاحیت حاصل ہو گئی اور ان کا علم شک، شبہ اور مغالطے سے نکل کر برہان قاطع اور نچتہ حقیقت بن گیا تو انھوں نے اس کا متن اور اس کی شرح لکھنے کا عزم کیا۔

مصنف نے طریقہ یہ اختیار کیا کہ ”الحكمة البالغة“ کی عبارت وہ ”قلت“ سے شروع کرتے ہیں اور پھر ”اقول“ کہہ کر اس کی شرح ”الشمس البازغة“ کی عبارت کا آغاز ہو جاتا ہے اختتام کتاب تک یہی طریقہ حاوی رہتا ہے۔

(۱) الشمس البازغة، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۳۷ء

(۲) دیباچہ الشمس البازغة / ۲-۳

متن اور اسکی شرح کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ایک مثال ملاحظہ ہو۔

”بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین والصلوة والسلام علی رسولہ محمد وآلہ وصحبہ۔ قلت الجملة الثانية في العلم الطبيعي وفيها ستة فنون، اقول العذر في اقتصاصنا من الحكمة في كتابنا هذا على النظرية ومنها على العالمين الادنى والاعلى يطلب من مفتاح الكتاب وكذا الوجه في تقديم الادنى على الاعلى“ (۱)

یعنی بسم اللہ اور حمد و صلوة کے بعد ”قلت“ (میں نے کہا تھا) سے حکمت بالغة (متن) میں بتاتے ہیں کہ یہ دوسرا مقالہ ہے علم طبیعیات سے متعلق اور اس میں چھ فن ہیں اس کے بعد ”اقول“ سے ”الشمس البانغة“ کی عبارت شروع ہو جاتی ہے جس میں وہ موضوع کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ الفنون نے چھ فنون پر اتفالیوں کیا ہے۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں حکمت محلیہ سے بحث نہیں کی بلکہ حکمت نظریہ ہی کو لیا اور حکمت نظریہ کے بھی صرف دو علوم۔ علوم ادنیٰ یا طبیعیات اور علم اعلیٰ یا الہیات سے بحث کی ہے۔ علم ادنیٰ کے سلسلے میں سب سے پہلے چند امور عامہ سے بحث کی جاتی ہے جنہیں ”کتاب سماع الطبیعی“ کے عنوان سے جانا جاتا ہے پھر صور و اجسام اور عالم طبیعیات ہیں۔ اولین حرکات کے علاوہ فاسد ہونے والے اور فساد کو قبول نہ کرنے والے اجسام کے احوال سے بحث ہوتی ہے۔ اسے ”کتاب السماء والعالم“ سے تعبیر کیا جاتا ہے پھر احوال و فساد سے بحث ہوتی ہے اسے ”کتاب الکنون والفساد“ کا نام دیا جاتا ہے۔ پھر اولین عنصری کیفیات کے افعال و انفعالات

سے بحث ہوتی ہے۔ جسے ”کتاب الفعل والانفعال“ کہتے ہیں۔ پھر طبقات کائنات کے احوال سے بحث ہوتی ہے جو ”کتاب الاثار العلویۃ والمعادن“ کہلاتی ہے۔ پھر نفس کے احوال اور قوتوں سے بحث ہوتی ہے اسے کتاب النفس کہتے ہیں۔ اس کے بعد نباتات کے کوائف سے بحث ہوتی ہے یہ ”کتاب النباتات“ ہے۔ اس کے بعد حیوانات کے احوال کا ذکر ہوتا ہے جو ”کتاب الحيوانات“ ہے لیکن چونکہ نباتات و حیوانات کا ذکر کتاب النفس میں آجاتا ہے اس لئے ان دونوں کو چھوڑ کر صرف پہلی چھ کتابوں سے بحث ہوتی ہے جنہیں چھ فنون کا نام دیا جاتا ہے۔

الشمس ابازغہ کے مطبوعہ نسخوں میں صرف تین پہلی کتابوں یا فنون سے بحث ہوتی ہے یعنی ”کتاب سماع الطبیب“ کتاب السماء والعالم اور کتاب الکون والفساد اور تین موخر الذکر (کتاب الفعل والانفعال، کتاب الاثار العلویۃ والمعادن اور کتاب النفس) کا تذکرہ اس میں نہیں ہے۔ بہر حال مطبوعہ نسخے کے موجودہ مواد کی ترتیب کچھ اس طرح ہے۔ فن اول میں طبیعیات کے علم تک رسائی کے طرق و وسائل سے بحث ہے۔ فصل دوم میں حیوانی، صورت اور ان کے لوازم سے بحث ہے۔ تیسری فصل بحث و اتفاق اور ان سے متعلق امور کے لئے مختص ہے۔ اور چوتھی فصل میں علل کے احکام و مدارج کا بیان ہے۔

فن اول کا مقالہ ثانیہ اجسام اور ان کے لواحق سے بحث کرتا ہے یہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب متناہی اور غیر متناہی اجسام سے متعلق

ہے۔ اور اس میں دو فصلیں ہیں۔ فصل اول اجسام کے غیر متناہی ہونے سے بحث کرتی ہے اور دوسری فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ اجسام کا لمبائی اور بڑائی میں غیر متناہی ہونا محال ہے۔

دوسرے باب میں مکان کی بحث ہے۔ اس میں بھی دو فصلیں ہیں۔ فصل اول میں مکان کی ابدیت و ماہیت اور دوسری فصل میں خلا کے ابطال کا بیان ہے۔ تیسرے باب میں حرکت کی بحث ہے اور اس میں حرکت سے متعلق چند فصلیں ہیں۔ فن ثانی میں سماء و عالم کی بحث ہے یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے اور اس میں تین فصول ہیں۔ فصل اول میں حرکت کے لحاظ سے بسیط اور مرکب اجسام کی قوتوں سے بحث ہے۔ فصل ثانی میں حرکت مستدیرہ کی بحث ہے اور فصل ثالث میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ تمام اجسام متناہی ہیں۔

فن ثالث کون و فساد سے متعلق بحث کرتا ہے۔ یہ ایک مقالہ پر مشتمل ہے جس میں فصلیں ہیں پہلی فصل میں بتایا گیا ہے کہ تمام مرکبات فاسد اجسام میں شامل ہیں اور دوسری فصل میں کون و فساد کے منکرین کے بعض اعتراضات کا جواب ہے۔

الشمس البازغة کی شہرت و مقبولیت کی خاص وجہ ملا محمود جوہری کا وہ سادہ دکنش اور عام فہم اسلوب بیان ہے جو دیگر معقوی اہل علم کے یہاں کم ہی نظر آتا ہے۔ ملا محمود جہاں اپنی بات کو مدلل بیان کرتے ہیں تو وہاں ان کی یہ کوشش بھی رہتی ہے کہ طرز بیان میں کوئی پیچیدگی نہ ہو۔ ان کے یہاں بعض باتوں کی تکرار تو ہے مگر قابل برداشت اور مقدمہ میں وہ ایک اصطلاحی تعبیر ”ما قبل الطبیعة“<sup>(۱)</sup>

بھی استعمال کرتے ہیں جو اہل فن کی اصطلاح سے لجید ہے۔ کیونکہ اہل فن الہیات کے لئے مابعد الطبیعیات تو استعمال کرتے ہیں مگر ”ما قبل الطبیعیات“ جیسی کوئی اصطلاح ان کے یہاں مروج نہیں ہے۔ قاضی محمد اللہ اور ملا نظام الدین اور دیگر علماء نے اس کتاب پر گراں قدر حواشی تحریر کئے ہیں۔

### فرائد فی شرح الفوائد

ملا محمود کی اس شرح کا تذکرہ ”مؤلف نزهة الخواطر نے اس طرح کیا ہے۔ ”والفرائد شرح الفوائد للقاضی محمد الدین الایچی فی المعانی والبیان وله تعلیقات نفیسة علی ذالک الشرح“<sup>(۱)</sup>

یعنی یہ علم معانی و بیان میں قاضی محمد الدین الایچی کی کتاب فوائد غیاتیہ کی شرح ہے۔ ملا محمود نے اس اپنی شرح پر عمدہ حاشیہ بھی لکھا ہے یہی فرائد ہے جس کو امیر الامراء شائستہ خاں نے ملا صاحب سے پڑھا تھا۔ ان کی یہ شرح بھی مطبوعہ ہے۔ انھوں نے اس شرح کا دیباچہ مسجع و سقفی عبارت میں لکھا ہے۔  
غونہ ملاحظہ ہو۔

”افصح کلمۃ یفتح بها الكلام، وابلخ کلام یقتضیه المقام۔ اسم من ذکره مصباح الظلام و محمد من شکره مفتاح النعم، مننزل کتاب عربی تلوح من آیاتہ المحتویۃ علی دلائل اعجاز اسرار البلاغة والواراکلرم“<sup>(۲)</sup> ملا محمود نے حمد و صلوة کے بعد بتایا ہے کہ میری ولادت جو پنور میں ہوئی اور یہ کہ میں عہد طفولیت ہی سے علم بلاغت کا دلدادہ اور مجھے عربی زبان و ادب سے غایت درجہ کا تعلق تھا۔ میں شعراء

(۱) نزهة الخواطر ج ۵/۳۹۹

(۲) دیباچہ الفرائد/۶

عرب کے قدیم و جدید اشعار شوق سے پڑھتا تھا۔ ملا صاحب کا یہ مقدمہ بھی تین چار صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد فوائد کا متن اور اسکی شرح شروع ہو جاتی ہے۔

### حرز الایمان فی رد التسویۃ ؛

اس کتاب کا تذکرہ بھی نزہۃ الخواطر میں ہے۔ ملا محمود نے یہ کتاب شیخ محب اللہ الہ آبادی کی ”کتاب التسویۃ“ کے رد میں لکھی ہے<sup>(۱)</sup>۔ یہ کتاب بھی عربی زبان میں ہے۔

### رسالۃ اقسام النساء :

اس کتاب کا تذکرہ مولف مآثر الکرام اور صاحب نزہۃ الخواطر نے بھی کیا ہے۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے۔ ”یہ ایک مختصر سا چہار ورقی رسالہ ہے۔ جس میں ادا و انداز وغیرہ کے لحاظ سے عورتوں کی قسمیں بتائی گئی ہیں اور ہر قسم کا نام معین کیا گیا ہے۔ اور ساتھ ہی آبدار اشعار بھی درج کئے گئے ہیں۔ نالیگا بھید نالیگا کا ہندوستان کا ایک خاص فن ہے۔ یہ رسالہ اسی فن میں ملا صاحب کی تصنیف ہے۔“<sup>(۲)</sup>

### دیوان فارسی :

اس دیوان کا تذکرہ صاحب نزہۃ نے کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ”وہ

دیوان شعر فارسی“<sup>(۳)</sup>

(۱) نزہۃ الخواطر ۵/۳۹۹

(۲) مآثر الکرام ۱/۲۰۳

(۳) نزہۃ الخواطر ۵/۳۹۹



## ملا عبد الحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) ابتدائی زندگی :-

عبد الحکیم بن شمس الدین کی ابتدائی زندگی کے حالات بہت ہی کم ملتے ہیں۔ ان کے والد شمس الدین کے آیا و اجداد کے نہ تو نام معلوم ہیں اور نہ ان کا حسب و نسب۔ شاید ملا عبد الحکیم اپنے خاندان کے پہلے فرد ہیں جو علم و فضل میں مشہور ہوئے۔ ان کی تاریخ پیدائش کا بھی صحیح علم نہیں ہے۔ اتنا ضرور یہ بتایا ہے کہ ”وہ پنجاب کے مردم خیز خطہ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے اور یہیں پر ملا کمال الدین کشمیری جو کہ اپنے وقت کے مستند عالم اور قطب دوراں شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد تھے ان سے کسب علم کیا۔“<sup>(۱)</sup> اس لحاظ سے وہ حضرت مجدد الف ثانی کے ہم سبق یا خواجہ تاش تھے۔ اس لئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ عبد الحکیم حضرت مجدد الف ثانی سے کم از کم تین چار سال بڑے ہوں گے۔ حضرت مجدد الف ثانی کا سال پیدائش ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۳ء ہے لہذا عبد الحکیم کا سال پیدائش اس سے تین چار سال پہلے ہوگا۔ اور اگر وہ حضرت مجدد سے بڑے نہ ہوئے تو یقیناً ان سے چھوٹے ہی نہ ہوں گے بلکہ ہم عمر ہوں گے۔ اس لحاظ سے ان کا سال ولادت حضرت مجدد کے سال پیدائش یعنی ۹۷۱ھ/ ۱۵۶۳ء کے لگ بھگ ہوگا۔ عبد الحکیم کی کامشہور مورخ بختاور خان (۱۰۶۲ھ) ان کا مادہ تاریخ پیدائش ”حفظاً“ بتاتا ہے جس کے اعداد ۹۸۹ بنتے ہیں۔ ”تاریخ تولدش لفظاً ”حفظاً“ گفتہ اند“

(۱) نزهة الخواطر ج ۵/ ۳۱۶، تذکرہ علمائے ہند/ ۲۸۰

ملا عبد الحکیم کی تاریخ وفات میں تذکرہ نو لیس مختلف اقوال پیش کرتے ہیں۔ بقول غلام علی آزاد "۱۸ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ/ ۱۴۵۶ء"<sup>(۲)</sup> نیز ماثر الکرام میں ۱۲ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ<sup>(۳)</sup> درج ہے۔ زیادہ تر تذکرہ نگاروں نے سن وفات ۱۰۶۷ھ ہی بتایا ہے۔<sup>(۴)</sup> لیکن خزینۃ الاصفیاء میں مخیر الواصلین کے حوالہ سے سن وفات ۱۰۶۸ھ لکھا ہے۔<sup>(۵)</sup>

علامہ عبد الحکیم نے علوم ظاہری تو مولانا کمال الدین کشمیری (۱۰۱۷ھ/ ۱۶۰۸ء) سے پڑھے اور تصوف کے اسرار و رموز اپنے زمانے کے بلند پایہ اولیاء کرام سے حاصل کئے۔ "آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے انتہائی درجہ عقیدت تھی۔ آپ ہی پہلے عالم ہیں جنہوں نے حضرت شیخ احمد سرہندی کو "مجدد الف ثانی" کا لقب دیا۔ حضرت مجدد ان کو آفتاب پنجابؒ کہا کرتے تھے۔"<sup>(۶)</sup> عبد الحکیم شیخ احمد سرہندی کے اتنے محقق ہوئے کہ سیالکوٹ سے سرہند پہنچ کر ان کے حلقہ ارادت میں داخل ہو گئے اور حضرت کے مجدد ہونے کے اثبات میں ایک رسالہ "دلائل التجدید" لکھا۔<sup>(۷)</sup>

(۱) دائرہ معارف اسلامیہ، بذیل مادہ/ ۸۳۴

(۲) سبحة المرجان/ ۶۶

(۳) ماثر الکرام دفتر اول/ ۲۰۵

(۴) محل صالح ج ۳/ ۲۹۵، نزہۃ الخواطر، ج ۵/ ۲۱

(۵) خزینۃ الاصفیاء ج ۲/ ۳۵۱

(۶) حوالہ بالا

(۷) دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ/ ۸۳۵

ملا عبد الحکیم نے عہد اکبری ہی میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری کر دیا تھا۔ اور لاہور کے سرکاری مدرسے میں ایک مدت تک مدرس مقرر رہے اور وہاں بھی انھوں نے کافی شہرت و پذیرائی حاصل کی۔ جہانگیر نے تخت نشین ہو کر جن رباب علم کی قدر شناسی کی تھی ان میں ملا عبد الحکیم بھی تھے لیکن قدر شناسی کا حق تو شاہجہاں نے ہی ادا کیا۔ اسی کے دور فرخ خاں میں ان کا ستارہ بلندی پر چمکا اور یہ حال ہو گیا کہ سیاسی قیادت شاہجہاں کے قبیضے میں تھی تو علمی سیادت ملا صاحب کے ہاتھ میں۔ ”شاہجہاں کا دربار کئی اسلامی ملکوں کے علماء و فضلاء کا ماویٰ و علجا بنا ہوا تھا۔ اس کے دور میں بڑی بڑی نادرہ روزگار شخصیات تھیں اپنے فن پر مکمل عبور اور دسترس رکھنے والے اہل علم و دانش موجود تھے۔ لیکن ان سب میں ملا صاحب کا مرتبہ بہت بلند اور نمایاں تھا۔ شاہ وقت نے انھیں ”ملک العلماء“ کا خطاب عطا کیا۔ اور انھیں شہنشاہوں کا اتالیق مقرر کیا۔ اگرہ کے سرکاری مدرسہ کا مدرس اعلیٰ مقرر کیا۔ دو بار ان کو چاندی یا سونے سے تلوا یا اور ساری رقم ملا صاحب کو دیدی۔ شاہجہاں کے زمانے میں آپ کو سو لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر ملی ہوئی تھی۔ چنانچہ آپ فکر معاش سے آزاد ہو کر دریا ئے علم میں غوطے لگاتے رہے۔“<sup>(۱)</sup>

”مشہور ہے کہ ایک لاکھ روپیہ ماہانہ سلطان وقت سے ملتا تھا<sup>(۲)</sup> علم دوست، ارباب فضل کا قدرداں اور جو دو سنجا کا پیکر شاہجہاں علامہ عبد الحکیم

(۱) حدائق الحنفیہ / ۱۵۸، مآثر الکرام ج ۱ / ۲۰۵، دائرہ معارف اسلامیہ بذیل

مادہ ۸۳۵ -

(۲) تذکرہ علمائے ہند / ۲۸۱

سیالکوٹی کا کس درجہ مداح اور ان کا قدر شناس تھا صاحب خلاصۃ الاثر کی عبارت سے ان کے علوم مرتبہ کا پتہ چلتا ہے وہ تحریر کرتے ہیں: ”وہ چیدہ روزگار عالم تھے۔ عقیدہ حق اور جادہ اعتدال پر چلنے والے تھے۔ حق کے ہم نوا اور ارباب حکومت سے مقابلہ کرنے کی ہمت و حوصلہ رکھتے تھے۔ خرم شاہ ہند شاہجہاں نے انھیں ”ملک العلماء“ کا خطاب عطا کیا تھا۔ وہ کوئی اہم کام ان کی مرضی کے بغیر نہیں کرتا تھا۔ ان کو جو شان اور عظمت حاصل ہوئی وہ اس دور میں کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جامع علوم و فنون تھے اور وہ اپنے دور کے یکتائے روزگار فضلاء میں سے تھے۔ انھوں نے اپنی جوانی اور بڑھاپا اہم مسائل کے حل اور ان کی تحقیق میں لگا دیا۔“<sup>(۱)</sup>

### اولاد :

ملا عبد الحکیم کے صرف ایک ہی بیٹے مولانا عبد اللہ الملقب باللہیب تھے جو علم و دانش کے لحاظ سے اپنے فخر زمانہ باپ کے مایہ ناز فرزند تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر ان کے علم و فضل کی بدولت ان کا بڑا قدر داں تھا اور اس نے وہ تمام اعزازات و انعامات جو ملا عبد الحکیم کو حاصل تھے مع شئی زائد کے ان کے لئے برقرار رہے۔ عالمگیر نے انھیں اجیر کی ”صدارت عظمیٰ“ تفویض کرنی چاہی۔ لیکن انھوں نے اس پیشکش کو قبول کرنے سے معذرت کی۔ عبد اللہ بھی صاحب تصنیف و تالیف تھے انھوں نے سورۃ فاتحہ کی تفسیر عربی زبان میں لکھی تھی<sup>(۲)</sup>۔ ان کے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے لوگ انھیں ”امام وقت“ کہا کرتے تھے۔

(۱) خلاصۃ الاثر ج ۲/۳۱۹

(۲) نزہۃ الخواطر ج ۵/۳۵۳ ، عمل صالح ج ۳/۲۹۵

## تلامذہ :

یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح ملا عبد الحکیم کے صرف ایک استاد ملا کمال الدین کا نام ان کے اساتذہ کی فہرست میں ملتا ہے۔ اسی طرح ان کے چند تلامذہ کا ذکر مورخین اور اصحاب تراجم کرتے ہیں۔ جبکہ ملا صاحب نے بساط علم پر کم و بیش نصف صدی تک اپنے درس و تدریس کا ڈنکا بجایا ہے۔ ان کی علمی شہرت کا طائر پرواز ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ممالک اسلامیہ کے دور دراز ملکوں۔ عرب و عجم میں پہنچ چکا تھا۔ بعید از قیاس ہے کہ ان کے شاگردوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکے۔ حالانکہ تذکرہ نویس یہ بھی بتاتے ہیں کہ وہ شاگردوں کے اخراجات اپنی آمدنی سے پورے کرتے تھے۔

مآثر الکرام میں ان کے دو شاگردوں کے نام کا پتہ چلتا ہے ”ایک ملا عبد الرحیم سنبھلی جو فارغ التحصیل ہو کر مراد آباد میں قاضی مقرر ہوئے تھے۔ دوسرے سید اسماعیل بکراہی جو ابتدائی تعلیم ملا عبد السلام دیوہ سے حاصل کر کے سیالکوٹ گئے اور ملا عبد الحکیم کی شاگردی اختیار کر لی۔“

دائرہ معارف میں ان کے چند تلامذہ کے نام اور درج ہیں۔

”ملا عبد الوہاب پسروری، چندر بھان بیرہمن، ملا عصمت اللہ سہارنپوری، مولوی محمد معظم ساکن بنہ، ملا محمد افضل جوہنپوری، شیخ عبد العزیز المتخلص بہ عزت اکبر آبادی، شاہ محمد ہاشم دربادی، میاں رحمت اللہ ملا محمد کشمیری سید فیض اللہ نوری گجراتی عبد الرسول بدایونی“<sup>(۱)</sup>

(۱) دائرہ معارف اسلامیہ بذیل مادہ ۸۳۶

## شہرت :

وہ علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع، اپنے عہد کے نامور عالم، نکتہ شناس نکتہ آفریں محقق، خداداد صلاحیت و استعداد کے مالک، امراء و سلاطین کے ہم نشین، شاہجہاں کے منظور نظر، فقیہ، محدث، مفسر، معقولات میں یگانہ آفاق اور صاحب تصانیف شخص تھے۔ ایک زمانے تک چشمہ علم سے تشنگان علم کو سیراب کرتے رہے۔ انھوں نے علم و فن پر قلم اٹھایا۔ اس کا حق ادا کر دیا ہے۔ ان کی تالیفات تبحر علمی اور وسعت معلومات کا پتہ دیتی ہیں۔ ان کی تالیفات کو ان کی عین حیات ہی میں وہ شہرت و امتیاز حاصل ہوا جو دوسروں کے حصہ میں کم ہی آیا ہوگا۔ ہندوستان کے مسلمان علماء کی صف میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ ان علماء میں سے تھے جنہوں نے اپنے خون جگر سے ملتان علم کی آبیاری کی۔ ان کے شرح و حواشی عرصہ تک عربی مدارس میں متداول رہے۔ اور جو یان علم و فضل ان سے ہر دور میں مستفید ہوتے رہے۔ غرض یہ کہ وہ اپنے وقت کے آسمان علم و فضل اور ستارہ بلند اقبال تھے۔ ارباب علم نے بھی انہیں بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ محمد صالح کنبوہ رقمطراز ہیں۔ ”اگر اور اثنالث معلین خواندہ می شاید و اگر عقل حادی عشر دانندی سزد۔ و بہ نیردی کمالات خداداد و نہایت معرفت بہ مبدا و معاد برکتب معتبرہ کہ ہمگی از تصانیف استادان پاستان است۔ و جملہ ادبا سخن پرداز مانند کودکان حرف شمار در جنب کمالاتش لبشار آمدند بکہ ارباب دانش و اصحاب فطرت کامل ادیب یونان را از تہجی خوانان دبستان ادب آموزش و عقل دانش افروز را جز و کش مدرسہ تعلیمش تصویر نموده۔“

بالجملہ آں صاحب فضائل صوری و معنوی حق عظیم ہر سائرا باب فضل ثابت کردہ<sup>(۱)</sup>۔  
 خزینۃ الاصفیاء کے مولف تحریر کرتے ہیں۔

”آپ اپنے وقت کے جید عالم تھے۔ علوم ظاہری میں فرید دہر اور رموز باطنی میں وحید العصر، حدیث، فقہ اور تفسیر میں یگانہ وقت اور صاحب قلم تھے۔ جہانگیر و شاہجہاں کے دربار میں آپ کی بڑی عزت و توقیر تھی۔ آپ کے اقوال و افعال پر علمائے ہند اور آپ کے شرعی فتوؤں پر حکام وقت کو کوئی اعتراض و اشکال نہ تھا۔“

مولانا محمد ہاشم جو حضرت مجدد کے ارشد مریدوں میں سے تھے وہ زبدۃ المقامات میں لکھتے ہیں کہ ”حضرت مجدد فرمایا کرتے تھے یولانا عبد الحکیم سیالکوٹی علوم عقلیہ و نقلیہ میں تصانیف عالیہ رکھتے تھے اور اس وقت دیار ہند میں ان کی کوئی نظیر نہیں“<sup>(۲)</sup>

غلام علی آزاد مآثر الکرام میں ان کی بابت لکھتے ہیں۔

”علامہ زمان و افتخار زمانینا است۔ الحق در جمیع فنون درسی مثل اد از زمین ہند بہر نہ خاست۔ تصانیف او در بلاد عرب و عجم سائرا و دائراست“<sup>(۳)</sup>

وہ اپنی دوسری کتاب ”سبحۃ المرجان“ میں یوں لکھتے ہیں۔

”لہ تصانیف غراء دائرۃ فی الامم سائرا حجة فی دیا س العرب و العجم“<sup>(۴)</sup>

(۱) محل صالح ج ۳/۲۹۲-۲۹۵

(۲) خزینۃ الاصفیاء ج ۲/۳۵۱

(۳) دائرۃ معارف بزیل مادہ ۸۳۴/۵

(۴) مآثر الکرام دفتر اول/۲۰۵-۲۰۶

(۵) سبحۃ المرجان/۶۶

رد کوثر میں حافظہ عبد الرحمن امرتسری کے حوالے سے لکھا ہے کہ عراق  
شام اور استانبول کی متعدد درسگاہوں میں مجھے ان کی تصانیف داخل دروس دیکھنے  
کا موقع ملا۔ ہندوستان سے باہر بلاد اسلامیہ میں علمی حیثیت سے جو شہرت عبد  
الحکیم سیالکوٹی صاحب کو حاصل ہوئی اسے کوئی ہندوستانی مصنف حاصل نہیں کر سکا۔  
نزہۃ الخواطر کے مؤلف رقم طراز ہیں۔

»تصانیفہ کلہا مقبولة عند العلماء محبوبۃ الیہم ولا سیما عند علماء بلاد الروم  
یتنافسون فیہا وہی جہیرۃ بن الک<sup>(۲)</sup>«  
علمی کاوشیں !

ملا عبد الحکیم ایک کامیاب مدرس، مختلف علوم و فنون پر کامل دسترس  
رکھنے والے ماہر فن اور ایک متبحر عالم تھے۔ اسی طرح وہ ایک فاضل مصنف اور بہترین  
النشاء پرداز بھی تھے۔ انھوں نے ہر علم و فن پر اپنی تالیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ اور  
ان میں زور قلم، متانت اور ترتیب و تنسيق کا پورا لحاظ رکھا ہے۔ ان کی تصانیف  
میں حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ بر مقدمات اربعہ تلویح، حاشیہ بر مطول  
حاشیہ میر سید شریف، حاشیہ بر شرح مواقف، حاشیہ بر شرح عقائد  
تفتازانی، حاشیہ خیالی، حاشیہ بر شرح شمسید، حاشیہ بر شرح مطالع  
حاشیہ بر شرح ملا عبد الغفور، حاشیہ بر شرح ملا جلال دوانی، درۃ ثمینہ  
در اثبات واجب تعالیٰ حواشی در کنار حکمة العین، حواشی در کنار شرح ہدایۃ

(۱) رد کوثر / ۳۳۶

(۲) نزہۃ الخواطر ج ۵ / ۲۱۰



الحکمة للمیبدی، حاشیہ درکنار مراجع الارواح، غنیۃ الطالبین کا فارسی ترجمہ  
القول المحیط بتحقیق جبل مؤلف وجبل بسیط، حاشیہ نیر شرح تہذیب، حاشیہ  
علی المحاسن اور دلائل التجدید ہیں<sup>(۱)</sup>۔

مذکورہ کتب میں بعض مطبوعہ ہیں اور بعض غیر مطبوعہ اور بعض نایاب  
ہیں۔ ہم ان کی تالیفات پرفن کے لحاظ سے مختصر سی روشنی ڈالیں گے۔

### تفسیر : حاشیہ تفسیر بیضاوی

عبداللہ بن عمر بیضاوی کی ”الوار الثنزل و اسرار التاویل“ قرآن  
کریم کی تفسیروں میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر میں جتنے موضوعات  
سے بحث کی جاتی ہے وہ سب اس میں جمع کر دینے کی کوشش کی ہے۔ اس  
کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ آج بھی الشرح  
عربی مدارس کے نصاب میں داخل درس ہے۔ علمی اور مذہبی حلقوں میں  
یہ کتاب مقبول عام اور متداول ہے۔

ہندوستان کے دیگر علماء نے بھی بیضاوی کی شرح اور اس کے  
حواشی لکھے ہیں۔ لیکن ان میں جو مقبولیت علامہ عبد الحکیم سیالکوٹی کے حاشیہ  
کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ اس کے بہت سے قلمی نسخے مختلف  
کتب خانوں میں موجود ہیں<sup>(۲)</sup>۔ اور یہ کتاب شائع بھی ہو چکی ہے۔

(۱) مآثر الکرام دفتر اول/ ۲۰۵، عمل صالح ج ۳/ ۲۹۵، تذکرہ علمائے ہند/ ۲۸۱  
خزینۃ الاصفیاء ۲/ ۳۵۱، دائرہ معارف بیدیل مادہ/ ۸۳۴-۸۳۵۔

انھوں نے یہ حاشیہ بیضاوی کے پہلے دو پاروں کی تشریح میں لکھا ہے۔ اگرچہ انھوں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ وہ اس کام کو مکمل کریں گے۔ غالباً وہ اس سے آگے لکھ نہ سکے۔ ان کی یہ تشریح دوسرے پارے کے ثلث تک ہے۔

یہ حاشیہ ان کی علمی قابلیت، مذہبی معلومات، فہم قرآن، تفسیری نکات اور ان کی عربی دانی کی شہادت دیتا ہے۔ اس حاشیہ کی وجہ سے علمی حلقوں میں ان کی خوب پذیرائی ہوئی۔ صاحب خلاصۃ الاثر اس حاشیہ کے متعلق لکھتے ہیں ”سایتھا و طالعت فیہا ابجاثا دقیقة“<sup>(۱)</sup>

اس حاشیہ کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں۔

تفسیر بیضاوی کے مشکل الفاظ و محاورات کی نحوی اور لغوی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ غیر واضح، مبہم اور متعلق جملوں کی وضاحت کی ہے۔

علامہ بیضاوی کی بیان کردہ احادیث کا جائزہ لیا گیا ہے۔ متروک الاسانید احادیث کی اسناد بیان کی ہیں اور جن احادیث کی طرف امام بیضاوی نے اشارہ کیا ہے ملا صاحب نے ان کا پورا متن درج کیا ہے۔

قاضی صاحب بعض جگہ تفسیر کرنا بھول گئے یا تفسیر کرنا چھوڑ دیا ہے علامہ عبدالحکیم نے ”واعلم ان المصنف راحمہ اللہ لم یفسر“ لکھ کر خود اس کی تفسیر کی ہے۔ حنفی ہونے کی حیثیت سے انھوں نے اپنے مکتب فکر کے تمام دلائل و شواہد کا مکمل دفاع کیا ہے۔ کیونکہ بیضاوی شافعی مکتب فکر کے عالم تھے۔

فلسفہ : حاشیہ پر شرح مہذبہ :-

ہدایت الحکمة شیخ اشیر الدین عمر الابھری کی تصنیف ہے۔ اس کی

دو مشہور شرحیں ”میبذی“ ملاحین بن معین میبذی کی تصنیف ہے۔ اور  
 ”صدرًا“ ملا صدر الدین محمد بن ابراہیم کی تصنیف ہے۔ ہدایت الحکمت کی یہ  
 دونوں شرحیں ہمارے عربی مدارس میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھی  
 جاتی ہیں۔ ملا صاحب نے ”میبذی“ کے حواشی لکھے جو ”الحاشیۃ علی المیبذی“ یا  
 ”الحاشیۃ علی شرح ہدایۃ الحکیم“ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ حواشی متن کے  
 حل کرنے اور فلسفیانہ دقیق مسائل کے سمجھنے میں حد درجہ مفید ہیں۔

## منطق ۱

### حاشیہ بر قطبی ۱

الشمسیہ نجم الدین الکاتبی کی معروف تصنیف ہے اسکی شرح  
 قطب الدین محمود بن محمد نے اور پھر اس کی شرح سید شریف الجرجانی نے  
 لکھی۔ پہلی شرح قطبی اور دوسری میر قطبی کے نام سے معروف ہے۔ عبد الحکیم  
 نے ان دونوں پر حواشی لکھے جو بالترتیب الحاشیۃ علی قطبی“ اور ”الحاشیۃ علی  
 میر قطبی“ یا ”حاشیۃ الشمسیۃ“ کے نام سے مشہور ہیں اور منطق کے دقیق  
 اور بحث طلب مسائل کے بارے میں فاضلانہ نکات سے بھرپور ہیں۔ یہ حواشی  
 انھوں نے اپنے فرزند عبد اللہ الملقب باللہبیب کی خواہش پر لکھے تھے۔ چنانچہ  
 مولف خطبہ کتاب میں لکھتے ہیں: ”قد سألنی الولد الاعز۔ عبد اللہ الملقب باللہبیب  
 عند قراءة الشرح المنسوب الی الطود العظیم والمعتد الجیم والحواشی المعلقة  
 علیہ للسید السند والحبر الاوحد ان اکتب ما یتسج الذهن الکلیل فی حل  
 مشكلاتھا واحرار ما یتقرر لری فی کشف محضلاتھا“

اپنے حواشی کے بارے میں علامہ کی رائے یہ ہے: «فجاء محمد الله كنزاً لا تحصى فوائده وجرّاً لا تستقصى فرائده»<sup>(۱)</sup>

**لغز ۱۔** ابن حجب کی تصنیف «الکافی» عربی نحو کی قابل قدر کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔ اسکی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں جن میں ملا جامی کی شرح سب سے مشہور اور معتبر مانی جاتی ہے۔ ملا جامی کے شاگرد عبد الغفور لاری نے شرح جامی کا ایک حاشیہ لکھا جو نامکمل رہا۔ مولانا عبد الحکیم نے اس حاشیہ کا تکرار لکھا اور پھر لاری کے حاشیہ کی مزید وضاحت کے لئے ایک الگ حاشیہ بھی تحریر کیا۔ یہ دونوں حواشی عبد الغفور لاری اور حاشیہ علی حاشیہ عبد الغفور کے نام سے دنیا کے علم و ادب میں معروف ہیں۔ علاوہ ازیں عبد الحکیم نے شرح جامی کا ایک مستقل حاشیہ «حاشیہ علی شرح الجامی» بھی سپرد قلم کیا۔<sup>(۲)</sup>

تکرار عبد الحکیم اور حاشیہ عبد الحکیم بر حاشیہ عبد الغفور دونوں ایک ساتھ مطبع نظامی کانیپور سے ۱۲۹۲ھ میں شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا نے یہ تکرار مرکبات کی بحث سے شروع کیا ہے۔ ابتدائی عبارت یہ ہے: «قوله ای المركبات المحدودة الخ ای فیما سبق بقوله وهی المفردات والموصولات واسماء الاستشارة الخ بناء علی ان المعرفة اذا اعيدت معرفة كانت الثانية عين الاولى واللام فی السابق للاستغراق بقریة تقييد الظروف بالبعض فیکون المعنی جمیع المركبات المحدودة من المنهيات»<sup>(۳)</sup>

(۱) دائرہ معارف بزیل عبد الحکیم / ۸۳۹

(۲) نفس مصدر / ۸۴۰ - ۸۳۹

(۳) تکرار عبد الغفور لمولانا عبد الحکیم / ۲

اور اختتام عبارت اس طرح ہے ”قوله اصبت خيرا - لا تحفى ما فى هذا التثيل  
من حسن الاختتام على وفق اختتام المتن حيث اوساد النون المخففة فى آخر:  
الكتاب وتممه بالالف الذى هو ساكن ابداً اشارة الى الاستراحة بعد  
المخفة“<sup>(۱)</sup>

بلاغت :

حاشیہ علی المطول :

عبد الحکیم ہندوستان کی ان سرسبز آدرہ شخصیات میں سے ہیں  
جنہوں نے علم بلاغت کے دقائق اور اسکی باریکیوں کو کما حقہ سمجھا ہے اور اس  
علم میں علامہ کا مرتبہ سب سے اوپر ہے۔ الفوں نے ملا سعد الدین تفتازانی کی  
گراں قدر تصنیف ”المطول“ کا ایک نہایت مفید اور عالمانہ حاشیہ لکھا، یہ حاشیہ  
عرب و عجم کے علماء سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ”یہ حاشیہ ۱۲۹۰ھ میں  
آستانہ سے طبع ہو چکا ہے۔“<sup>(۲)</sup>

علم کلام :-

الحاشیہ علی حاشیہ الحیالی علی شر السعد علی العقائد النسفیة ولوف بزیة الافکار

علم کلام کی دو مشہور کتابیں ”العقائد النسفیة“ جو تصنیف ہے  
امام نجم الدین ابو حفص عمر بن محمد لنسفی کی۔ اور ”العقائد العنصریة“ یہ قاضی عنفد  
الدین عبد الرحمن بن احمد الایجی کی تالیف ہے۔ ملا سعد الدین تفتازانی نے عقائد

(۱) تکملة عبد الغفور لمولانا عبد الحکیم / ۱۷۲-۱۷۱

(۲) معجم المطبوعات العربیة و المغربیة / ۱۰۶۹

نسفی کی شرح لکھی۔ اور ملا جلال الدین محمد بن سعد الدوانی نے عقائد طہد یہ کی شرح لکھی۔ یہ دونوں شرحیں علم کلام کی بیش بہا دولت ہیں۔ اور علم کلام کے لئے ان کا مطالعہ اسلامی درسگاہوں میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ علماء اسلام اور اہل کلام ان دونوں کتابوں کی طرف اچھی خاصی توجہ مبذول کی اور ان کی متعدد شرح و حواشی لکھے۔ ملا صاحب نے بھی عقائد کی ان دونوں تصانیف کی مزید توضیح و تشریح کر کے ان کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ الفوں نے ملا دوانی کی شرح پر عقائد طہد یہ کے حواشی تحریر کئے اور العقائد النفسیہ کے حواشی احمد بن موسیٰ الحینالی کی شرح التفتازانی پر لکھے۔ یہ کتاب آستانہ سے ۱۲۳۵ھ، ۱۲۵۷ھ ۱۲۸۹ اور ۱۲۱۴ھ میں مختلف بار شائع ہو چکی ہے۔ مصر سے ۱۲۹۷ھ میں دہلی سے ۱۸۷۰ء میں اور قازان سے ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئی۔<sup>(۱)</sup>

خیالی کی شرح کے اگرچہ بہت سے حواشی لکھے گئے ہیں لیکن عبدالحکیم کا حاشیہ خیالی سب سے بہتر تسلیم کیا گیا ہے۔ اس میں محنتی نے تمام مشکلات کو اس طرح حل کر دیا ہے کہ طلبہ کے لئے خیالی کو سمجھنا آسان ہو گیا ہے۔

**حاشیہ بر شرح مواقف:**

عصہ الدین الایچی کی ایک اور مشہور زمانہ تصنیف ”المواقف“ ہے جسکی شرح سید شریف جرجانی نے لکھی جو ”شرح المواقف“ کے نام سے مشہور ہے۔ اس شرح کی بھی بے شمار شرح و حواشی اور حواشی بر حواشی معرض وجود میں آئے۔ شرح المواقف کی مزید توضیح و تشریح کرنے والے سب

سے پہلے ہندی مصنف یہی سیالکوٹی تھے۔ حاشیہ علی شرح البحر جانی آستانہ سے ۱۲۶۹ ہجری میں طبع ہو چکی ہے<sup>(۱)</sup>۔ اس کا قلمی نسخہ خدابخش لائبریری پٹنہ میں بھی ہے۔<sup>(۲)</sup>

یہ حاشیہ علم منطق میں ہے اور اس میں تصورات و تصدیقات تک بحث کی ہے۔

### الرسالۃ الخاقانیۃ یا الدرۃ الثمینۃ فی علم الواجب تعالیٰ

یہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی اہم ترین تصنیف ہے۔ اسے ”الرسالۃ الخاقانیۃ یا الدرۃ الثمینۃ فی علم الواجب تعالیٰ“ کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مولانا عبدالحئی الحسنی نے اس کا ذکر اپنی تصنیف ”الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند“ میں علم کلام سے متعلق ان کتابوں کے سلسلے میں کیا ہے جو مستقل تصانیف کا درجہ رکھتی ہیں۔<sup>(۳)</sup>

اس تصنیف کا سبب یہ ہوا کہ ایران کے شاہ صفی کی وفات پر جب اس کا بیٹا شاہ عباس دوم تخت نشین ہوا تو شاہجہاں نے مرحوم شاہ کی تعزیت اور شاہ عباس کی تخت نشینی پر ہدیہ تبریک پیش کرنے کے لئے ایک سفارت ایران بھیجی۔ جان نثار خاں اس سفارت کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا اور اس کے ارکان میں دیگر افراد کے ساتھ محمد فاروق مشرف اور محبوب علی واقعہ نویس بھی تھے ان دونوں کو معقولات کی ہمہ دانی کا زیادہ ہی زعم تھا۔

(۱) معجم المطبوعات العربیۃ و العربیۃ ۱۰۶۹/

(۲) محبوب الالباب فی تعریف اللقب و الکتاب ۱۷۱/

(۳) الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند ۲۳۸/

ایران و ہند اس زمانے میں علوم عقلیہ کا گہوارہ سمجھے جاتے تھے۔ شاہ ایران کا وزیر اعظم (خلیفۃ سلطان) اعتماد الدولہ بھی معقولات کا فاضل اور متبحر عالم تھا۔ اس نے شاہ بھجانی سفارت کے ارکان سے ایک علمی محفل میں سوال کیا کہ امام غزالی نے قدم عالم، علم باری تعالیٰ اور نفی حشر اجساد کے سلسلے میں فلاسفہ کی تفسیر کی ہے۔ لیکن بعض علماء نے ان مسائل کے بارے میں تاویل سے کام لیا ہے۔ اس بارے میں علمائے ہند کی کیا رائے ہے؟۔ ارکان سفارت محمد فاروق مشرف اور محب علی واقعہ نو لیس ان فاضلانہ سوالات کا جواب نہ دے سکے۔ جب شاہ جہاں کو ہندوستان کے علمی وقار کی سبکی کا پتہ چلا تو اس کے وزیر اعظم ملا سعد اللہ خان نے ہند کے درخشاں ستاروں میں سے اسی بدر کامل یعنی ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کا انتخاب کیا۔ اور فی الفور مسائل ثلاثہ مذکورہ کے سلسلے میں ایک مختصر مگر جامع رسالہ لکھ کر دربار دہلی کو روانہ کرنے کی فرمائش کی تاکہ اسے ایران بھیجا جاسکے۔ ملا سعد اللہ خان نے ملا صاحب کو اس کار خطیر کی انجام دہی کے لئے دس پندرہ روز کا وقت دیا تھا مگر انہوں نے ایک ہفتہ میں اسے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔ ایک ساعت سعید جہد کے دن سے شروع کیا اور دوسری ساعت سعید اگلے جہد کو ختم کر دیا۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں: ”ولکن هذا آخر ما اسدناہ فی هذه الرسالة الخاقانية حامداً للہ تعالیٰ ومصلياً علی نبیہ وآلہ شارعی فی تحریرہ ضحوة یوم الجمعة خامس شہر ربيع الثانی فی آخر یوم الجمعة ثانی عشر منہ ۱۰۵۰ھ“ (۱)



وزیر شاہجہاں نواب سعد اللہ خاں کے اس خط کا تذکرہ ”باغستان“

میں محفوظ ہے۔ اس خط کی کچھ نقل ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

”افادت پناہ افاضت دستگاہ جامع محقول ومنقول حاوی فروغ

واصول وحید العصر، فرید الدھر، بادراک نشایتین و احراز دارین کامیاب

باشند۔ حسب الحکم اشرف می نویسد کہ چوں از افراد وقائع ایران بمسامح

مجامع رسید کہ افادت پناہ افاضت دستگاہ خلیفہ سلطان وزیر دانشور

عراق کہ اعلم العلماء آں دیا راست از محمد فاروق مشرف و محب علی واقعہ

نویس کہ بامارت مآب جان نثار خاں سفیر متعین اند، پس از دعوائے

اینان بفضل و کمال پیر رسید کہ امام غزالی در مسئلہ قدم عالم و نفی علم واجب

(تعالیٰ شانہ کما یقول الظالمون فی حق الفہم و الباہلون باللہ جہلاً مرکباً)

بجزئیات مادیہ و نفی حشر اجساد تکفیر البولہ نصر فارابی و شیخ بوعلی سینا نمودہ

و جمع تاویل کلام حکماء کردہ اند، این مراتب را تقریر باید کرد“<sup>(۱)</sup>

سیر اس خط کی نقل ”فہرست مخطوطات نادرہ آصفیہ کتب خانہ،

حیدر آباد، دکن، ۱۳۵۷ھ ۲۰-۳۱۹“<sup>(۲)</sup> میں بھی دیکھی جاسکتی ہے۔

مولانا نے مسئلہ علم واجب تعالیٰ کو تین ابحاث میں تقسیم کیا ہے

(۱) البحت الاول فی اثباتہ (اثبات العلم لہ تعالیٰ)

(۲) البحت الثانی فی ان علمہ ما ہو و کیف ہو

(۳) البحت الثالث فی عموم علمہ تعالیٰ

(۱) بحوالہ معارف نمبر ۳، ج ۱۰۰ / ۲۰۸

(۲) دائرہ معارف / ۸۲۱

اثبات علم باری تعالیٰ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں کہ ماسوا چند قدیم فلاسفہ کے تمام علماء نے تسلیم کیا ہے۔ یہ چند قدماء جو علم باری تعالیٰ کی نفی کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ خداوند تعالیٰ تمام کائنات کا خالق ہے لیکن اسکی تخلیق اس کے بدون علم کے ہوئی ہے۔ اسکی مثال سورج کی طرح ہے جبکی شعاعیں اس میں سے پھوٹ پھوٹ کر ساری کائنات کو منور کرتی ہیں۔ لیکن خود سورج اپنی اس عالمگیر صفت سے نا آشنا ہے۔ اس تنویر کائنات میں اس کا کوئی ذاتی دخل نہیں۔ بلکہ یہ عمل اس سے اسکی فطرت کے تحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ملا عبد الحکیم نے قدماء کے اس عجیب و غریب نظریے کا تسلی بخش جواب دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ خدائے تعالیٰ کی ذات غیر عالم ہے۔ اور اسے اپنی تخلیق کے بارے میں کچھ نہیں پتہ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ معاذ اللہ علم سے متصف نہیں اور یہ ایسی بات ہے کہ جسے کوئی بھی صاحب عقل و شعور انسان باور نہیں کر سکتا۔ علم باری تعالیٰ کے اثبات کے خلاف قدماء کی ایک اور دلیل بھی ہے وہ کہتے ہیں کہ علم ایک نسبت ہے اور نسبت ہمیشہ دو مختلف چیزوں کے مابین ہوتی ہے، یعنی علم کے سلسلے میں دو مختلف چیزوں کا وجود تسلیم کرنا ضروری ہے۔ عالم اور معلوم۔ اگر خدا تعالیٰ عالم ہے تو اسے اپنی ذات کا علم بھی ہونا چاہیے اور یہ بات خلاف عقل ہے کیونکہ اس سے خدا کے بارے میں دو مختلف وجودوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ ملا عبد الحکیم نے اس اعتراض کا جواب دو طریقوں سے دیا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ علم نسبت نہیں ہے بلکہ ”صفة ذات لنبیة“ ہے۔ دوسرے اگر علم کو نسبت ہی تصور کر لیا جائے تو بھی

کوئی اشکال نہیں اور اس سے ہمیں خدا تعالیٰ کی ذات کے سلسلے میں ”دوئی“ کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔ کیونکہ ایک ہی چیز بیک وقت داخلی اور خارجی کیفیات کی حامل ہو سکتی ہے۔

دوسری بحث کا تعلق کیفیت علم باری تعالیٰ سے ہے۔ ملا عبد الحکیم مختلف نظریات کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ علم باری یا تو عین ذات باری ہے یا اس سے الگ شئی۔ اگر کوئی الگ شئی ہے تو پھر یا قائم بنفسہ ہے یا قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ قدیم فلاسفہ کا کہنا ہے کہ علم باری عین ذات باری ہے لیکن اشاعرہ کا نظریہ ہے کہ وہ قائم بذاتہ تعالیٰ ہے۔ صفات باری تعالیٰ کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ ”لا عین“ و ”لا غیر“ ہے۔ افلاطون نے علم باری کی تعریف ”صورة قائمة بنفسها“ سے کی ہے۔

تیسری بحث عمومیت علم باری تعالیٰ سے متعلق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم صرف کلیات تک محدود ہے یا کلیات و جزئیات سب کو محیط ہے۔ ملا صاحب اہل سلسلہ میں تحریر کرتے ہیں کہ اس عقیدے پر تمام ملتوں کا اتفاق ہے کہ خداوند تعالیٰ ہر چیز جانتا ہے کلی ہو یا جزئی اس کا علم سب کو محیط ہے خواہ وہ شئی موجود ہو یا معدوم۔

حشر و نشر اجساد اور حدوث و قدم عالم سے بحث کرتے ہوئے الفون نے امام غزالی کی رائے (تلفیہ فلاسفہ) کو پیش کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے علماء و فلاسفہ اسلام کے نظریات بھی نقل کئے ہیں۔ اور محقق دوانی اور امام رازی کی آراء بطور خاص قلمبند کرنے کے بعد اپنی رائے کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے۔

”اقول تلغیرہم بالنکاس الحشر الجسائی حق لانه ما نطق به القرآن

المجید، بحیث خرج عن احتمال التاویل آخر سورة یسین“

محقق دوانی کا عقیدہ ہے کہ حشر جہانی اور قدامت عالم کے نظریے

دونوں کو بیک وقت تسلیم کرنا امر محال ہے، علامہ عبد الحکیم نے اس نظریہ کو بنیاد

بنا کر اپنا دعویٰ اور اس پر دلیل قائم کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قرآن حکیم میں واضح

طور پر آسمانوں کے انشقاق و فنا کا بیان ہے۔ وہ اس سلسلہ میں تحریر کرتے

ہیں۔ ”اقول لا یکن الجمع بینہما ایضا لان الحشر علی ما مراد به الشرح لیتیقنی

الانشقاق السموات وطمیرها وفناءھا۔ والقائلون یقدم العالم لیقولون بامتناع

الخرق علیھا فضلا عن فناءھا۔“<sup>(۱)</sup>

ملا عبد الحکیم کا یہ مختصر سا مگر جامع رسالہ اپنے موضوع پر بہترین

رسالہ تصور کیا جاتا ہے۔ اور بعد کے آنے والوں کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتا

ہے۔ اور اہل فضل و کمال نے اس سے کسب فیض کیا ہے۔ ”کتب خانہ ریاست رامپور

میں مجموعہ ۱۱۱ فن کلام عربی میں یہ مختصر مجلد رسالہ موجود ہے۔“<sup>(۲)</sup>

(۱) دائرہ معارف / ۸۴۲ - ۸۴۱

(۲) معارف نمبر ۳ جلد ۱۰۰ / ۲۰۲

## محبت اللہ آبادی (۱۰۸۵-۹۹۶ھ)

### ولادت و نسب :

۲/ صفر روز دوشنبہ ۹۹۶ھ / ۱۵۸۷ء کو صدر پور ضلع خیر آباد میں بعہد جلال الدین محمد اکبر بادشاہ متولد ہوئے۔ سلسلہ نسب بابا فرید الدین مسعود گنج شکر تک اس طرح پہنچتا ہے۔ ”شاہ محبت اللہ بن شیخ مبارز بن شیخ پیر بن شیخ بڑے بن شیخ مٹھی بن قاضی رضی الدین ملک العلماء بن شیخ اوحید الدین بن قاضی محمد الدین بن شیخ جمیل الدین بن قاضی رفیع الدین بن شیخ محبت اللہ فیاض بن حاجی رستم اللہ بن حبیب اللہ بن حاجی شیخ ابراہیم بن علاء الدین بن قاسم بن عبد الرزاق بن عبد القادر بن ابو الفتح بن عبد السلام بن جعفر بن شہاب الدین بن حضرت فرید الدین مسعود عری“، ابتداً تعلیم صدر پور میں اپنے والد بزرگوار اور دیگر علما سے حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے واسطے لاہور گئے وہاں ملا عبد السلام لاہوری (م ۱۶۲۷ء) سے جملہ علوم کا اکتساب کیا، مفتی عبد السلام دیوی، شیخ محمد میر سائیں سیوستانی اور سعد اللہ خاں جو بعد کو شاہجہاں کے دور میں وزیر اعظم ہوئے، آپ کے درسی ساتھیوں میں تھے۔

آپ دہلی تلاش معاش کے لئے تشریف لے گئے۔ وہاں اپنے ہم سبق وزیر اعظم سعد اللہ خاں صاحب سے ملاقات ہو گئی اور معاش کا مسئلہ حل ہو ہی گیا تھا کہ اچانک شیخ محبت اللہ پیر جذب و وجد کی کیفیت طاری ہو گئی۔ چنانچہ آپ نے زاہدانہ زندگی اختیار کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور شیخ کامل کی تلاش میں گنگوہ کا سفر کیا جہاں آپ نے شیخ ابوسعید بن نور الحق گنگوہی کی خدمت میں رہ کر ایک

طویل زمانے تک چشتیہ سلسلے کے اور اذکار حاصل کئے اور یہیں سے آپ درجہ مشیخت پرفائز ہو کر اپنے آبائی وطن صدر پور لوٹے۔ کچھ دن قیام کر کے الہ آباد کا سفر کیا اور دریائے جمنا کے کنارے فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر اللہ نے رزق کے دروازے آپ کے لئے کھول دیئے اور انھوں نے بیس سال تک کامیابی کے ساتھ مسند درس و ارشاد کو روثق بخشی<sup>(۱)</sup>۔

شاہ صاحب نے اپنی کتاب ”انفاس الخواص“ کے دیباچہ میں اپنی تعلیم شادی اور لاہور روانگی کا حال تحریر فرمایا ہے کہ عنفوان شباب میں مجھ کو ظاہری علوم کی تحصیل کا بہت زیادہ شوق تھا۔ میرے ایک عالم و عارف استاد نے مجھے پاس انفال کی تعلیم دی تھی جسکی وجہ سے توحید کے حقائق و معارف مجھ کو حاصل ہوتے رہتے تھے۔ لیکن علوم ظاہری کے بے پناہ شوق کی بنا پر میں علم حقیقت کی طرف توجہ نہیں کر پاتا تھا۔ اسی درمیان میں والد ماجد نے وفات پائی اور اسی ہیچ میری شادی ہو گئی مگر حصول علم کے شوق میں لاہور آیا۔ لاہور میں میرے ہمراہ میرے دو ماموں زاد بھائی بھی پڑھتے تھے۔ جس مکان کو میں نے کرایہ پر لیا اس کے ایک گوشہ میں ایک دیوانہ مقید تھا، ایک روز دفعۃً شب میں اس کا انتقال ہو گیا، اسکی بیوی نے گریہ و زاری شروع کی مجھے وحشت نے آگھیرا اور دل میں مبدء و معاد کے متعلق بحث چھڑ گئی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں تحصیل علوم ظاہری سے فارغ ہو کر اپنے وطن صدر پور آیا تو فکر معاش نے میرے دل کو پریشان کیا۔ تلاش معاش میں احمد آباد گیا وہاں حضور پرنور کو کچھ خواب میں دیکھا۔ اس دفعہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی توجہ اپنی طرف کم پائی۔ التفات کی کمی کی وجہ کو بھی میں نے جان لیا۔ چنانچہ اسکی وجہ سے اس قدر حسرت و افسوس و حزن و ملال مجھ پر غالب ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ سب چھوڑ کر جنگل کی طرف نکل جاؤں لیکن اللہ کا فضل شامل حال ہوا اور میں اپنے وطن صدر پور واپس ہو کر درس و تدریس میں مصروف رہا مگر باوجود تمام تغفلات کے پاس الناس کا شغل اور علم و حدت جو استادوں نے مجھے تعلیم فرمایا تھا میں نے برابر جاری رکھا وہ شغل کسی حالت میں بھی مجھ سے کبھی ترک نہیں ہوا۔<sup>(۱)</sup>

شاہ محب اللہ الہ آبادی کو شہرت تصوف بالخصوص شیخ ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کی ترجمانی کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ یہ نظریہ ہندوستان میں موضوع بحث رہا ہے۔ شاہ صاحب اس نظریہ کے نہ صرف قائل بلکہ اس کے داعی اور اپنے وقت کے مشہور ترجمان تھے۔ اسی وجہ سے علماء کرام کی آرا ان کے بارے میں مختلف رہی ہیں۔ کسی نے انھیں عارف کامل، صاحب معرفت اور موحد کہا ہے تو کسی نے انھیں مرد خدا تو مانا ہے لیکن اصطلاحات صوفیہ کی تعبیر میں غلطی کر جانے کی وجہ سے ان کے الحاد و زندقہ کا خطرہ ظاہر کیا ہے اور کسی نے انھیں ضال اور مضل کہا ہے۔ عبد الحمی الحسینی نور الدین محمد بن علی الرانبری کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

”و کذا ببعض نواحي الهند بلدة تسمى الهباس (الہ آباد) ساحل يقال له محب اللہ بل عدو اللہ و طائفة قاتلهم اللہ و هم يعتقدون بالوحدة المطلقة و يقولون ان الرب عين العبد و العبد عين الرب بمعنى الاتحاد فمجلوا العالم هو اللہ و اللہ

هو العالم ( تعالی اللہ عما یقول الظالمون علواً کبیراً )<sup>(۱)</sup>

مولف ہجر ذکار لکھتے ہیں۔

”از وقت حضرت گنج شکر تا او کسے از اجدادش میل و رغبت بہ دنیا نہ کردہ در زمانہ ہائے خود سوائے از تحصیل علوم صوری و معنوی کار نہ داشتہ اند و بہ عنفوان جوانی شیخ از وطن خود قصبہ صدر پور کہ توابع خیر آباد از مضافات اودہ است با کتاب صوری دانش بہ لاہور رفت و بہ پایہ تکمیل رسا بندہ بہ دہلی رفت“

شیخ محب اللہ بہت سے اہل دل کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مزار پر مراقبہ بھی کئے۔ مگر کسی سے کوئی راہ نہ ملی جب حضرت قطب الدین بختیار کاکی کے مزار پر مراقبہ ہوئے تو وہاں سے حکم ہوا کہ تم ظاہری اور دنیاوی امور کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہو بلکہ درستی باطن کے لئے پیدا کئے گئے ہو اس وقت مخدوم صابر کلیری کے سلسلہ کا زور تھا حکم ہوا کہ فوراً گنلوہ جاؤ۔ اور خواب میں بہ اشارہ حضرت ابوسعید گنلوہی سے بھی کر دیا کہ محب اللہ کو تمہارے سپرد کر رہا ہوں۔ شاہ صاحب حضرت قطب کا یہ ارشاد سن کر فوراً گنلوہ روانہ ہو گئے۔ بقول صاحب مرآۃ الاسرار ”از روح پر فتوح حضرت قطب الاقطاب اشارہ شد۔ اے محب اللہ ترا بدستی امور ظاہری نہ آفریدند بل برائے درستی کار ہائے باطن در این وقت سلسلہ علی صابر گرم است۔ بہ گنلوہ برو، بہ شیخ ابوسعید گنلوہی نیز اشارہ شد کہ من محب اللہ را بہ شما سپردم و شما ایشان را تا بہ من برسانید مجرد دیدن این حال بہ منصب وزارت پشت



پا زدہ بہ ننگوہ رفت

تقریباً بیس سال الہ آباد میں مقیم رہے اور ۹ رجب ۵۸ ۱۰ھ / ۱۷۴۸ء کو وصال ہوا اور الہ آباد میں مدفون ہوئے۔

آپ کے خلفائے تعداد بہت تھی ان میں شیخ قاضی گھاسی، شیخ محمد رسولدار، قاضی یوسف، قاضی عبدالرشید، میر سید محمد قنوجی اور شیخ احمد وغیرہ مشہور ہوئے۔ اخلاف میں ایک بیٹے کا پتہ چلتا ہے جن کا نام شیخ تاج الدین تھا۔<sup>(۱)</sup>

علمی مقام :

شاہ محب اللہ الہ آبادی ایک مشہور عالم، ایک خاص نقطہ نظر کے ترجمان، شیخ محی الدین ابن عربی کی کتابوں کے شارح، ان کے فلسفہ وحدت الوجود کے پیرزور حامی اور عہد شاہجہانی کی مختلف فیہ شخصیت تھے، علماء کا ایک بڑا گروہ آپ کو ملی و کافر قرار دیتا ہے اور دوسرے انہیں باخدا بزرگ اور ولی کامل کہتے ہیں۔ بحر ذخار کے مولف آپ کی شان میں یوں رقمطراز ہیں۔

”آں فرمانروائے اقلیم طریقت، آل مجتہد کلمات تصوف و حقیقت

آں مرشد روزگار و ہادی قطب جہانیاں حضرت شاہ محب اللہ الہ آبادی از

مشاہیر متصوفان ذی مناقب، عالم متبحر و تصانیفش در علم تصوف لا تعد ولا

تحصى اند“<sup>(۲)</sup>

(۱) کوآکب / ۶۳ — ۵۸

(۲) بحر ذخار ۵۲۷ بحوالہ کوآکب / ۶۲

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف رقمطراز ہیں  
 ”دانش مند، متبحر صوفی عالم اور علم ظاہر و باطن میں اپنے وقت  
 کے سردار تھے۔“ (۱)  
**تصانیف :-**

شاہ صاحب کی جن کتابوں کا علم ہو گا ان کی فہرست درج ذیل ہے  
 ان میں ان کی فارسی کتب بھی ہیں اور عربی تالیفات بھی۔  
 ”تجلیۃ الفصوص شرح فصوص الحکم، انفاس الخواص، ترجمۃ اللہ  
 منہیات ترجمۃ الكتاب، التسویۃ بین الافادۃ والقبول، عقائد الخواص، المغالط  
 العامة (عربی) مراتب الوجود، رسالہ سیر الہی، رسالہ اعانۃ الاخوان، شرح  
 التسویۃ، شرح فصوص الحکم، طرق الخواص، عبادۃ الخواص، اخص الخواص  
 مناظر اخص الخواص، ہفت احکام، غایۃ الغایات، رسالہ سہ رکنی، رسالہ وجود  
 مطلق در تحقیق وجود مطلق، رسالہ توحید، امالۃ القلوب اور مکتوبات (فارسی)  
 شاہ صاحب کی زیادہ تر تصنیفات تصوف اور بالخصوص شیخ محی الدین  
 ابن عربی کی کتب کی شرح اور ان کی توضیحات ہیں۔ مولف بجز خارج تحریر کرتے ہیں۔  
 ”اور تصانیف حقائق و توحید بسیار است کہ فزینہ دقائقی و گنجینہ حقائق اسرار  
 الہی است از ادراک حالات و مقامات آن کتب صریح اجتہادش بر مشرب صوفیہ  
 و اہل صفاء مشرف است لہذا شیخ محی الدین ابن عربی را شیخ اکبر می گویند  
 (۱) تذکرہ علماء ہند/ ۴۰۴

و وے را شیخ کبیر لقب می کنند<sup>(۱)</sup>

ذیل میں ان کی چند عربی کتب کا اجالی تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔  
ترجمۃ الکتاب :

یہ قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اس کو ”المراتب الاربعہ“ بھی کہا جاتا ہے  
اس تفسیر کی لفظی شرح بھی خود الفوں نے قلم بند کی ہے جس کا نام ”حاشیۃ  
ترجمۃ الکتاب“ ہے۔ یہ تفسیر تصوف کے نقطہ نظر سے لکھی گئی۔ اس میں وحدت  
الوجود فلسفہ کی تائید ہے۔ متعدد مواقع پر قدامت پسند مفسرین کے نقطہ نظر سے  
انحراف کیا گیا ہے۔<sup>(۲)</sup>

### التسویۃ بین الافادۃ والقبول ۱۔

یہ ایک فلسفیانہ بحث پر مشتمل مختصر سا رسالہ ہے جس میں مصنف  
نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ سے متاثر نہیں ہے۔ جب یہ  
رسالہ مشہور ہوا تو علمائے ظاہر نے اس کے خلاف ایک ہنگامہ برپا کر دیا اور عالمگیر  
اورنگ زیب سے کہا کہ یہ رسالہ مخالف شرع ہے۔ اس نے حکم دیا کہ ہماری قلمرو کے سب  
درویشوں کو شاہی چھاؤنی میں حاضر کرو اور وہ مقالے کے مضامین کو شرع کے  
مطابق بیان کریں۔ شیخ محمد افضل الہ آبادی کو رسالے کی واردات کی وجہ سے یہ  
اندیشہ ہوا کہ یہ سب غلبہ حال کی تحریر ہیں۔ ہر چند کہ شیخ کا دل نہ چاہتا تھا  
کہ اس رسالہ کو پانی میں دھو ڈالیں مگر مصلحت وقت بھی پیش نظر تھی۔ ناچار

(۱) بحر زخار : ۵۲۹ جوالہ کو اکب ص ۶۲

(۲) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۴۷

اس رسالہ کو پانی کے ایک کھرے ہوئے برتن میں ڈالا۔ کاغذ کا لپیٹھا لہذا پانی میں پڑتے ہی خود بخود حروف مٹ جائیں گے۔ غرض یہ تھی کہ اس رسالہ کو اپنے ہاتھوں سے نہ دھوئیں۔ پوری رات پانی میں پڑا رہا اس کا ایک حرف تک نہ مٹا۔ صبح جب انہوں نے یہ ماجرا دیکھا تو یقین ہو گیا کہ یہ رسالہ باقی رہنے کے لئے لکھا گیا ہے۔<sup>(۱)</sup>

اس رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس شدید اختلاف کے باوجود اسکی درج ذیل شرح لکھی گئیں۔

(۱) شرح تسویہ ! مصنفہ محمدی فیاض زمینی ہر کامی شاگرد شاہ محی اللہ آبادی۔

(۲) شرح تسویہ ! مصنفہ شیخ امان اللہ بنارس ۱۱۳۳ھ / ۱۷۲۱ء

(۳) شرح تسویہ ! مولفہ شیخ عبد اللہ بن عبد الباقی نقشبندی دہلوی

(۴) شرح تسویہ ! مولفہ شیخ محمد افضل بن عبد الرحمن عباسی آبادی ۱۲۲۲ھ /

۱۷۱۲ء

(۵) شرح تسویہ ! نیربان عربی مولانا عبد الحلیم فرنگی محلی ۱۲۸۲ھ / ۱۸۶۷ء

(۶) تسویۃ التسویۃ ! سید اکبر علی دہلوی فیض آبادی

(۷) تصفیۃ شرح تسویۃ ! شرح فارسی مولانا حافظ شاہ علی النور قلندر کا کوری

۱۹۰۶ء اس کا ایک نادر نسخہ کتب خانہ انوریہ خانقاہ کاظمیہ میں موجود ہے۔ جو

۵/ ذی قعدہ ۱۰۳۸ھ کا بخط مولف ہے گویا شاہ صاحب نے اپنی وفات سے بیس

(۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۸-۱۰۷

(۲) کوالب / ۵-۱۲۲

سال قبل لکھا تھا۔ اس کی ابتداء یوں ہے

”الحمد عن وجه بكل ما وجد وسجد والصلوة والسلام على خير من نطق به واصطفاه والى بقوله تعالى اينا تولوا فثم وجه الله واجتباة واله خير الال و احسن المال ....“

پانچ اوراق پر مشتمل اس نسخہ میں اٹھارہ سطریں فی صفحہ ہیں ہر سطر میں سات آٹھ الفاظ ہیں آخر میں یہ عبارت ہے۔  
 ”قال الله تعالى وجاؤنا ببني اسرائيل البحر فاتبعهم فرعون وجنوده بغيا وعدوا“

اس نسخہ میں دو ایک مقامات پر شاہ صاحب نے کچھ الفاظ قلم زد کئے ہیں۔ اس کا ایک دوسرا نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری (عبدالحی فرنگی محل کلشن ۱۹۸۸ء عربیہ متفرقات) میں محفوظ ہے جو مولانا عبدالحلیم فرنگی محل کا نقل کردہ ہے۔ اس کے آخر میں یہ عبارت ہے ”تحت رسالة التسوية بين الافادة والقبول من الشيخ محب الله آيادي الخ“ اس رسالہ کا رد شاہ صاحب کے ہم عصر اور مشہور فلسفی ملا محمود جو پوری نے بھی لکھا ہے۔

### المغاليط العاقبة

یہ ایک ضخیم تصنیف ہے جو ایک باب اور ۱۶۴ فصلوں پر مشتمل ہے۔ جن کا نام مغالط رکھا گیا ہے۔ کتاب کا مقدمہ بجائے خود ایک مستقل تصنیف ہے اس کا عنوان ”اعانة الاخوان“ ہے اور اسے ۱۵ ابواب میں تقسیم کیا گیا  
 (۱) رسالة التسوية بين الافادة والقبول، ورق >

ہے۔ مصنف نے یہ لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے متصوفانہ نظریات اور عقائد لوگوں کے سامنے بیان کئے تو انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اصل حقیقت سے نا آشنا لوگوں کے پیدا کردہ مغالطے رفع کریں چنانچہ یہ کتاب اسی مقصد سے عربی زبان میں لکھی گئی ہے۔

”اس کا ایک نادر نسخہ مسلم یونیورسٹی عربیہ علوم ۱۳۸ میں موجود ہے اس کے اول و آخر میں شاہ محمد اجل آبادی کی مہریں ہیں۔ ابتدا میں مہر کے ادبیر شاہ صاحب موصوف کی یہ تحریر ہے۔ ”ہذا الكتاب من ممتلكات احقر الانام اصنف العباد ابو الفضل ناصر الدین محمد المشہر بہ اجل الہ آبادی عفا اللہ تعالیٰ عنہ“ متوسط تقطیع ہے ۹۹۳ صفحات ہیں ابتداء یوں ہے۔  
الحمد لله الذی هو الرحمن الذی علم اہلہ القرآن، خلق الانسان علمہ البیان“ (۱)

### عقائد الخواص :

اس میں اہل دل اور صوفیاء کے عقائد و اہم کئے گئے ہیں۔ یہ ۲۶ حصوں میں منقسم ہے۔ ہر حصہ کا نام ”دقائق“ رکھا ہے اور ان میں دینی موضوعات کی متصوفانہ تاویلات اور باطنی تصریحات کی گئی ہیں۔ جن موضوعات پر بحث کی گئی ہے ان میں سے چند یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات، دینی فرائض، سزا و جزا اوامر و نواہی، انسانی اعمال، مشیت الہی، منصب نبوت، ملائکہ، حشر، روح ایمان، ہریم، عذاب قبر اور امامت وغیرہ۔ مصنف نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ

(۱) نسخہ المغالط العامہ، یونیورسٹی عربیہ علوم/ ۱۳۸

یہ کتاب چونکہ دقائقی پر مشتمل ہے اس لئے اس کو ”ذائق العرفاء“ بھی کہا جاسکتا ہے۔<sup>(۱)</sup>

### انفاس الخواص :

یہ ”فصوص الحکم“ کی عربی شرح ہے اسی انفاس پر مشتمل ہے۔ اس کی ابتدا یہ ہے۔ ”الحمد لله الذی لا یحد لما سواہ ولینس المختار الا ایاء“ اختتام عبارت یہ ہے ”فمن لا یراہ لا یراہ لفقد عین القلب فانها لا تعی الا بصار ولكن تعی القلوب التی فی الصدور وهذا آخر الکتاب وانه لتذکرۃ للمتقین وانا لنعلم ان منکم مکذبین وانه لحرة علی الکافرین وانه لحق الیقین فسبح باسم ربک العظیم۔ قد وقرح الفراغ من کتابہ هذا الکتاب۔“ اس کا ایک قدیم نسخہ کتب خانہ النوریہ کاکوری میں موجود ہے جو ۱۰۸۱ھ کا لکھا ہوا ہے۔ رضا لائبریری رامپور (۳۹) انڈیا آفیس لائبریری (۱۲۷۹) خدابخش پٹنہ میں بھی اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔<sup>(۲)</sup>

### تجلیۃ الفصوص :

یہ شیخ ابن عربی کی مشہور کتاب .. فصوص الحکم ... کی شرح ہے۔ یہ الہ آباد میں ان کے جانشین کے پاس محفوظ ہے۔<sup>(۳)</sup>

(۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۱۰۸

(۲) کواکب / ۱۲۲ ، عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۱۰۷

(۳) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۱۱۷

## شیخ عبدالقادر عیدروسی تخری احمد آبادی (۱۰۳۸-۹۷۸ھ)

آپ کا پورا نام عبد القادر بن شیخ عبد اللہ بن شیخ بن عبد اللہ عیدروسی، شافعی، گجراتی اور لقب محی الدین تھا۔ عین کے ایک اعلیٰ خاندان عیدروس کے ایک فرد تھے۔ ان کے والد ۹۵۸ھ میں ہندوستان آئے اور احمد آباد میں سکونت اختیار کی۔ اور وہ اسی شہر میں ۲۰ ربیع الاول بروز جمعرات ۹۷۸ھ کو پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ ایک ہندوستانی کنیز تھیں۔ یہ بڑی عابدہ، زاہدہ اور منکر المزاج خاتون تھیں۔

انھوں نے اپنے وقت کے اہل علم اور ارباب طریقت سے درس وارشاد حاصل کیا۔ ان میں ان کے والد نیز گوار شیخ بن عبد اللہ عیدروسی، شیخ حاتم بن احمد اہل، شیخ درویش حسین کشمیری، شیخ موسیٰ بن جعفر کشمیری، شیخ محمد بن حسن چشتی گجراتی اور ہندو عین کے اساتذہ و مشائخ شامل ہیں تحصیل علم کے بعد آپ نے عربی زبان میں مختلف موضوعات پر گراں قدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ بلاشبہ وہ اپنے وقت کے یگانہ روزگار ادیب اور اہل قلم تھے۔

آپ کے مریدین اور شاگردوں میں سید علامہ جلال الدین محمد بن یحییٰ شامی، مکی، شیخ بدر الدین حسن بن داؤد کوکنی ہندی، شیخ محمد بن عبد الرحیم باجاہر حضری، شیخ شہاب الدین احمد بن ربیع بن احمد بن عبد الحق سنباطی مکی مصری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔<sup>(۱)</sup>

(۱) النور السافر/ ۳ - ۳۳۲، نثرۃ الخواطر ۵/ ۲۳۵، حدائق الحنفیہ/ ۶۰۶



## تصانیف :-

محی الدین عبد القادر ائیک فقیہ، عالم، صوفی اور عربی زبان و ادب کے بہت بڑے ادیب تھے۔ انھوں نے مختلف فنون پر بکثرت کتابیں تالیف کی ہیں جو عربی ادب کا بہترین شاہکار ہیں۔ ان کی تالیفات کی تعداد بہت زیادہ ہے ان میں قابل ذکر یہ ہیں۔

”الفتوحات القدسیة فی الحرقة العید ساریة، المدائق المحضرة فی سیرة النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ العشرة، المنتخب المصطفی فی اخبار مولد المصطفی، الدر الثمین فی بیان الہم من الدین، اتحاف المحضرة العزیزة بعیون السیرة الوجیزة، کتاب المفراج الی معرفة المعراج، الاموذج اللطیف فی اهل بدر الشریف، اسباب النجاة والنجاح فی اذکار المساء والصباح، الحواشی الرشیدة علی العروة الوثقیة، منح الباری بنجم صیح البخاری، تحریف الاحیاء لفضائل الانبیاء عقد اللآل لفضائل الال، لجنیة المستغنیہ لبشرح تحفة المرید، النفحة العنبریة لبشرح بیتین العدنیة، غایة القرب فی شرح نہایة الطلب، اتحاف اخوان الصفا لبشرح تحفة الطرفا باسماء الخلفاء، صدق الوفاء بحق الاخاء النور السافر فی اخبار القرن العاشر، الزهر الباسم من بواطن الاستاذ حاتم، کتاب قرۃ العین فی مناقب الولی عمر بن محمد یاحین، دیوان شعر الموسوم بالروض الاریض والغین المستفیض وغیرہ۔ (۱)

یہاں ان کی چند کتابوں کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) نزہۃ الخواطر / ۲۳۶، النور السافر / ۴۰ - ۳۳۷، المدائق المحضرة / ۷ - ۱۰۶

## النور السافر عن اخبار القر في العاشر :-

بیان کتاب نام ہی سے ظاہر ہے۔ اس میں مصنف نے دسویں صدی ہجری میں پیش آنے والے واقعات کا تاریخ وار تذکرہ کیا ہے۔ قدیم مصنفین نے بھی اس قسم کی کتابیں لکھی ہیں جیسے ابن حجر کی ”الدرر الكامنة في القرن الثامنة“ ”الفنوء الامح في القرن التاسع“، سخاوی کی اور الکواکب السائرة بمناقب علماء الامة العاشرة، وغیرہ مشہور ہیں۔

محی الدین نے اپنی کتاب میں تاریخی ترتیب اختیار کی ہے اور نہ صرف سربراہ اور وہ علماء و امرا کے مختصر حالات لکھے ہیں بلکہ اہم سیاسی و معاشرتی اور قدرتی واقعات بھی قلمبند کئے ہیں۔

کتاب کے دیباچہ میں مصنف نے بیان کیا ہے کہ اس نے اپنی تصنیف میں مصر، شام، حجاز، یمن، روم اور ہندوستان وغیرہ کے عالموں، قاضیوں، ولیوں بادشاہوں اور امیروں کی تاریخیں لکھی ہیں۔ اور کچھ دوسرے حالات، عجیب و غریب واقعات اور قصے لکھے ہیں۔ انہوں نے یہ اعتراف بھی کیا ہے کہ اس صدی میں پیش آنے والے تمام واقعات وہ نہیں لکھ سکے۔ کیونکہ ان سب کا علم انہیں نہ ہو سکا ایک اعتبار سے اپنی نامکمل کتاب کے لکھنے کا یہ عذر پیش کیا ہے کہ جو چیز مکمل طور پر بیان نہ ہو سکے اسکو چھوڑ دینا بھی مناسب نہیں۔

اصل کتاب میں حصول برکت کے لئے مصنف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کے مختصر حالات قلمبند کئے ہیں اور ۹۰۱ ھ سے ۱۰۰۰ ہجری تک کے واقعات تاریخی ترتیب سے لکھے ہیں۔

مصنف شاعر بھی تھے اس لئے اس کتاب میں متعدد شعرا کے منتخب اشعار بھی ترجمہ کے ساتھ نقل کر دیئے ہیں۔

اس کتاب کی زبان اور اسلوب بہت سادہ، واضح اور رواں ہے اور انہوں نے اپنی یہ تصنیف بروز جمعہ ۱۲/ربیع الثانی ۱۳۰۰ء کو مکمل کی۔ یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

سید محمد بن البرکۃ الشلی (م ۱۰۹۳ھ/ ۱۶۸۲ء) نے اس کتاب کا ایک ضمیمہ لکھا ہے جس کا عنوان ”السناء الیاءہر تبلیل النور السافر“ ہے اس میں انہوں نے مذکورہ کتاب کو بہت مفید تصنیف بتایا ہے۔ ضمیمہ لکھنے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ اس میں بہت قابل لوگوں کے نام چھوٹ گئے تھے

### اتحاف الحفزة العزیز لعیون السیرة الوجیزة !

اس کتاب میں مؤلف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے مختصر حالات درج کئے ہیں۔ اس میں غیر تاریخی واقعات سے اجتناب کیا ہے۔ اس کا انداز بیان بھی نہایت سلیس اور واضح ہے۔ یہ کتاب دو حصوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں چار باب ہیں جو حیات نبوی علیہ السلام سے متعلق ہیں۔ دوسرے حصے میں دس باب ہیں۔ ان میں عشرہ مبشرہ کے مختصر حالات زندگی قلم بند کئے ہیں۔ خاتمہ میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و فضائل ذکر کئے ہیں۔“

## العروض النافذة في من اسم عبد القادر !

اس میں انکفوں نے ان مشہور اہل علم کے حالات زندگی تحریر کئے ہیں جنکا نام عبد القادر تھا۔۔۔ یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ اس میں عبد القادر نام کے چالیس اشخاص کے مختصر حالات لکھے گئے ہیں<sup>(۱)</sup>۔

## الفتح القدسی فی تفسیر آیۃ الکرسی !

یہ تفسیر مملکت میں بہار لائبریری میں موجود ہے۔ فہرست میں یہ مجموعۃ الرسائل کے نام سے ہے۔ مجموعۃ الرسائل چار مختصر رسالوں پر مشتمل ہے شروع کے تین رسالے تصوف سے متعلق ہیں، چوتھا رسالہ ”آیۃ الکرسی“ کی تفسیر ہے۔ اس آیت کی تفسیر انکفوں نے خاصی تفصیل سے تقریباً دس صفحات میں کی ہے ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔ ”الحمد للملک الذی تفرد فی تعوت جلالہ و اظہر دین الاسلام علی الدین کلمہ“ اس کے بعد انکفوں نے اپنی اس تصنیف کا مقصد بیان کیا ہے کہ احادیث صحیحہ اور دلائل صریحہ کے ذریعہ آیۃ الکرسی کے فضائل بیان کرنا پیش نظر ہے۔

مصنف نے اس کتاب کو وزیر نواب شمس الدین کے نام مثنوی کیا ہے۔ وزیر موصوف کی مدح میں ۹ اشعار لکھے ہیں۔ پھر استحکام سلطنت کی دعائیں مانگنے کے بعد تفسیر شروع کی ہے۔ بعد ازاں وحدانیت کو بیان کیا ہے۔ لفظی بحثیں اور مضمونیا نہ طرز نگارش اس تفسیر میں پایا جاتا ہے۔ یہ نسخہ خط نسخ میں ہے قرآن کریم کی آیات سرخ روشنائی سے لکھی گئی ہیں خاتمہ

(۱) عربی ادبیات میں یاک و ہند کا حصہ ۸۷ - ۱۸۷

ان الفاظ پر ہوتا ہے۔

”ان شرح هذه الآية العظيمة ليضيق عنه المجلدات والله سبحانه  
اعلم بما ينزل فافهم فهمك الله عنه بلا واسطة بحنة وكرمة آمين“ (۱)

---

(۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں / ۱۰-۱۰۹

## شیخ عبد الرشید جو پوری (۱۰۸۳ ھ)

مولانا عبد الرشید جو پوری، ابن شیخ مصطفیٰ بن عبد الحمید، شمس الحق لقب اور شمسی تخلص کرتے تھے۔ آپ دیوان عبد الرشید کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ شیخ فضل اللہ جون پوری کے شاگرد اور اپنے والد شیخ مصطفیٰ (مرید نظام الدین امیٹھوی) کے مرید تھے۔ شروع میں درس و تدریس میں مشغول رہے پھر اس کو چھوڑ کر علم حقائق کی کتابوں کا خصوصیت کے ساتھ شیخ محی الدین ابن عربی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے لگے۔ اور ابن عربی کی جن عبارتوں پر علماء ظاہر کا اعتراض وارد ہوا کرتا تھا ان کی بہترین توجیہ کرتے، امرا اور اعیانہ سے میل جول نہیں رکھتے تھے۔ شاہجہاں بادشاہ ان کے اوصاف سن کر ملاقات کا مشتاق ہوا۔ وکیل کی معرفت ایک فرمان بلانے کے لئے بھیجا۔ مولانا نے گوشہ نشینی سے نکلنا گوارا نہ کیا۔ وفات بھی آپ کی عجیب طریقے سے ہوئی۔ فخر کی سنت سے فارغ ہو گئے تھے اور فرض کی تکبیر تحریمہ باندھ چکے تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کی وفات ۱۰۸۳ ھ / ۱۶۷۲ء کو ہوئی۔<sup>(۱)</sup>

آپ کا نام پہلے محمد رشید تھا۔ خزینۃ الاصفیاء میں مرقوم ہے۔ نام اول ولے محمد رشید است وہمیں نام را دوست داشتی و در مراسلات و مکاتبات نوشتی و لقب او شمس الدین و فیاض و دیوان است۔<sup>(۲)</sup>

(۱) مآثر الکرام الم - ۲۰۳، تذکرہ علمائے ہند / ۲۹۷، حدائق الحنفیہ / ۲۰۸

(۲) خزینۃ الاصفیاء ۱/ ۷۱-۷۲

شیخ عبدالرشید صرف بزرگ اور ولی کامل ہی نہ تھے بلکہ ایک صاحب تصنیف عالم اور بالال مصنف بھی تھے۔ انھوں نے اپنی بیش بہا علمی یادگار چھوڑی ہیں۔ غلام علی نقشبندی تحریر کرتے ہیں: ”وہ کتب عربی ذوق بسیار داشت و بر کتاب اسرار المخلوقات کہ مختصری از تصانیف شیخ محی الدین است بشرحی بغایت سخن و خوب نوشت“ (۱)

آپ کی تالیفات میں۔ رشیدیہ فن مناظرہ میں، زاد السالکین شرح اسرار الخلوۃ حقائق میں (عربی) حاشیہ شرح مختصر عضدی، حاشیہ بر کافیہ ابن حاجب، مقصود الطالبین، دیوان اشعار (فارسی) وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

آپ کے علمی اور اخلاقی حالات کی بہت سچی تصویر محمد صالح نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ ”بے قیل و قال از گفتارشن بوئے حال می آید و از استماع کلامش کہ ہمہ موددانہ و عارفانہ است۔ دل را فیض خاص حاصل می گردد و آن شہسوار میدان حقیقت از صحبت خلایق مجتنب است و از دید وادیدم مردم بغاوت محترز۔ و مطلقاً باہل دول آمیزش نمی کند، مجلاً اگر شرح عوارف و فضائل و بیان مشارب و اذواق آنحضرت پر داخۃ آید۔ تصنیفی جداگانہ می یابد لاجرم اکتفا یہ ہمیں دو کلمہ خود“ (۲)

(۱) خزینۃ الاصفیاء ۱/۲۷۱

(۲) محل صالح ج ۳/۳۷۸

آپ کی تصانیف میں سب سے اہم اور مشہور ”الرشیدیۃ“ یا ”الاداب الرشیدیۃ“ ہے اس کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

### الاداب الرشیدیۃ :-

علم مناظرہ پر سید شریف جرجانی کی ”الاداب الشریفیۃ“ مقبول عام کتاب ہے۔ اس کی ایک شرح ہندوستانی عالم عبدالباقی م ۱۰۸۲ھ نے ”الاداب الباقیۃ“ کے نام سے لکھی۔ دوسری شرح ملا عبد الرشید جو پوری نے ”الاداب الرشیدیۃ“ کے عنوان سے تصنیف کی ہے۔ یہ شرح اول الذکر کے مقابلہ میں زیادہ واضح، مفصل اور مقبول ہے۔

یہ شرح ایک مقدمہ، نو مقالات اور ایک صفحہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں اس علم کی تمام اصطلاحات کی شرح کی گئی ہے۔ مناظرہ کی تعریف یہ کی ہے کہ۔ یہ دو فریقوں کے مابین کسی موضوع پر ایسے مباحثہ کا نام ہے جس کا مقصد اس کی حقیقت معلوم کرنا ہوتا ہے۔ ان تعریفوں میں مباحثہ کو علت الصوریہ، مخاطب کو علت فاعلیہ، موضوع کو علت مادیہ اور تلاش حقیقت کو علت غائیہ کے اصطلاحی نام دیئے گئے ہیں۔ مصنف نے علت غائیہ کو اس قدر اہمیت دی ہے کہ اگر یہ نہ ہو تو مناظرہ، مجادلہ یا مکابرہ بن جاتا ہے۔

پہلے مقالے کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص یعنی مدعی کوئی دعویٰ کرے جس سے دوسرا شخص یعنی سائل متفق نہ ہو تو سائل ثبوت طلب کرنے کے لئے کہے گا۔ کہ جو تم کہتے ہو وہ میں تسلیم نہیں کرتا۔ اس کے جواب میں مدعی اپنے دلائل پیش کرے گا۔ دلائل پیش کرنے کے اس مطالبہ کو اصطلاحاً ”منع“ کہا جاتا



ہے۔ اگر سائل ان دلائل کو کسی منطقی خاکی بنا پر رد کرتا ہے تو اسے "نقض" کہا جاتا ہے۔ اور اگر جوابی دلیل پیش کر کے کہتا ہے کہ میرے پاس ایک ایسی دلیل ہے جس سے اس کے برعکس ثابت ہوتا ہے تو اسے "معارضہ" کہا جاتا ہے۔ سائل جب مدعی کی دلیل رد کرتا ہے تو مدعی سائل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور سائل نیا مدعی بن جاتا ہے۔ دلائل کے رد و قدح کا یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ حقیقت ثابت نہیں ہو جاتی۔

دوسرے مقالے میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مناظرہ شروع کرنے سے پہلے دعویٰ کا ایک لفظ واضح کر دینا چاہیے تاکہ غلط فہمی کا امکان نہ رہے یہ وضاحت بھی تردید کے مذکورہ بالا طریقوں یعنی منع، نقض اور معارضہ کی تابع ہوتی ہے۔

تیسرا مقالہ حوالوں سے متعلق ہے۔ مناظرہ میں حوالے طلب کئے جاسکتے ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ سائل ان سے واقف نہ ہو ورنہ مناظرہ مجادلہ بن جائے گا۔

اس کے بعد چار مقالات منع، نقض اور معارضہ سے متعلق ہیں۔ جن میں بہت تفصیل کے ساتھ انگ انگ ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ آٹھویں مقالہ میں یہ تفصیل درج کی ہے کہ مدعی کس طرح سائل بن جاتا ہے اور سائل کس طرح مدعی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔

نویں مقالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مدعی یا سائل مناظرہ کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے اور جان بوجھ کر مغالطے پیدا کرتا ہے تو دلائل پیش نہ کیے جائیں

أيك عبارات لبطور نمونه ملاحظه هو-

”فقال المناظرة! مأخوذة اما من النظم بمعنى ان مأخذها شئ

واحد او من النظر بمعنى الابصار او بمعنى التفات النفس الى العقولات و  
التأمل فيها او بمعنى الانتظام او بمعنى المقابلة ووجه المناسبة غير خفى - و  
فى الاول ايماء الى انه ينبغى ان يكون المناظران قمتائين بان لا يكون احدهما  
فى غاية العلو والكمال والاخر فى نهاية الدنا بجملة والنقصان - وفى الثالث  
ايماء الى اولوية التأمل بان لا يقول مالم يتأمل فيما يريد ان يقول وفى الرابع  
الى انه جدير ان ينتظر احد المتخاصمين الى ان يتم كلام الاخر لا ان يتكلم فى  
حاق كلامه“ (١)

## شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی ( ۱۰۳۱ - ۹۸۲ھ )

ابو البرکت، عیسیٰ بن قاسم بن یوسف بن رکن الدین بن المعروف بن شہاب المعروف، شہابی شطاری، مشہور صوفی تھے۔

ان کی ولادت ۹۸۳ھ کو ایرجپور میں ہوئی جس روز آپ پیدا ہوئے آپ کے والد گھر پر نہ تھے۔ آپ کے چچا شیخ محمد طاہر نے آپ کا نام عیسیٰ رکھ دیا۔ بعد میں والد صاحب نے آپ کا نام بدل کر سلیمان رکھنا چاہا۔ اس خیال کا محرک وہ خواب تھا جو آپ کی والدہ نے دورانِ حمل دیکھا تھا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام ان کے گھر آئے ہیں۔ لیکن بھائی کے احترام میں نام تبدیل نہیں کیا۔<sup>(۱)</sup> کم عمری ہی میں الفوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا اور علوم متداولہ پڑھنے شروع کر دیئے۔ آپ کے چچا شیخ محمد طاہر بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے۔ شیخ عیسیٰ نے ان سے حدیث، فقہ، تجوید اور دوسرے علوم کی تعلیم حاصل کی۔ انیس سال کی عمر میں ۹۸۰ھ یا ۹۸۱ھ ہجری کو آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور آپ اپنے چچا کے ہمراہ برہانپور چلے گئے۔<sup>(۲)</sup> شیخ لشکر محمد عارف شطاری برہانپوری کے مرید ہو گئے بعد ازاں درس وارشاد میں مصروف ہو گئے۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔

شیخ عیسیٰ کو تصنیف و تالیف کا بھی اچھا ذوق تھا۔ عربی و فارسی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ مختلف تذکروں میں ان کی بہت سی تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) نزہۃ الخواطر ۵/ ۲۹۵

(۲) تذکرہ صوفیاء سندھ ۵/ ۱۷۵

چند کتابیں درج ذیل ہیں۔

”روضۃ الحسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی، عین المعانی، المحاسن  
الجنسہ، حاشیہ علی الانسان الكامل، قبلة المذاهب الاسماعیة، الفتح الممدی،  
ترجمة اسرار الوفی، حاشیہ علی الفوائد الضیائیة، شرح قصیدہ بردہ بالفارسی  
اور سب سے مشہور ان کی تفسیر قرآن ”الوار الاسرار فی حقائق القرآن ہے“ (۱)

### الوار الاسرار فی حقائق القرآن

قرآن کریم کی یہ تفسیر الفوں نے صوفیانہ رنگ میں بالکل انوکھے  
انداز میں کی ہے۔ اس تفسیر کا پتہ تو نہیں چلتا ہے۔ تاہم نزہۃ الخواطر میں اس کے  
چند تفسیری اقتباسات دیئے ہیں۔ ان میں سے بعض یہاں نقل کئے جا رہے ہیں۔  
”اعوذ باللہ“ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، الشیطان البعد وهو البعد الذی  
بین العبد وربہ وھما ولیس فی الحقیقۃ او البعد المویہوم والخلاء المتوہم فی محل  
وجود العالم یعنی العالم ظاہر خارج عن حصرة الخیب المتجلی فی الخلاء المتوہم“ (۲)  
الحمد للہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

”الحمد للہ“ عند اهل الطواہر تعریفہ هو الثناء باللسان علی قصد

التعظیم وللمراتب اسالج عندهم ..... اما عند اهل السلوک فتنة اقسام

(۱) نزہۃ الخواطر ۵/۲۹۶

(۲) لغتیں مصدر

فعلى وتولى وحالى من كلا الجانبين - فاما القولى من العبد فبان ليقول (الحمد لله)  
 موافقا للقلب عند القول به واما الفعلى فهو الاتيان بالاعمال البدنية من العبادات  
 والخيرات ابتغاء لوجه الله وتوجها الى جانبه الكريم لان الحمد كما يجب على العبد  
 باللسان يجب بحسب كل عضو وذلك لانه لا يمكن الا باستعمال كل عضو ما خلق لاجله  
 على الوجه المشروع عيادة للحق سبحانه والقياد لاوامره لا طلبا للمحوظ النفسانية  
 من اللذة العجيبة فى الدنيا ومن الجنة والنعيم فى الآخرة (١)

## عصمت اللہ سہارنپوری (۱۰۳۹)

ملاء عصمت اللہ سہارنپوری، عالم، فاضل، فقیہ اور نہایت ماہر ریاضی داں تھے۔ اپنی تمام عمر درس و تدریس میں بسر کی۔ آنکھوں سے نابینا ہو گئے تھے مگر بیناؤں کے لئے چراغِ راہ تھے۔ اپنے قلم جو ہر بار سے نہایت مفید تصانیف لکھیں۔ آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

”از مشاہیر علماء ہند است اگرچہ مکفوف البصر اما بینا یان را راہ دانش و بینش می نمود“ آپ نے حجاز کا سفر بھی کیا ۱۰۳۹ھ میں وفات ہوئی۔ ان کی تخلیقات میں حاشیہ شرح ملا جامی، جد الغناء فی حرمة الغناء اور خلاصۃ الحساب قابل ذکر ہیں۔ آخر الذکر دو کتابوں کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

### جد الغناء فی حرمة الغناء

اس کتاب میں انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قرآن، حدیث، فقہاء کے فتوؤں اور علماء و اولیاء کی آرا کی رو سے سماع ناجائز ہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے مختلف ابواب میں ان تمام اسناد کے حوالے دیئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جس چیز کو سماع کہا جاتا ہے اس کا پہلی تین صدیوں میں کوئی وجود نہ تھا۔

اور اس کے بعد کے زمانوں میں وہ آہستہ آہستہ اسلام میں داخل ہو گیا۔  
 الفوں نے اس کتاب میں سماع کے قائلین کے دلائل کی ہر زور تردید کی ہے۔  
 اور قرآن و حدیث کی رو سے سماع کرنا ناجائز اور حرام بتایا ہے (۱)۔

## الوار خلاصة الحساب :-

خلاصۃ الحساب بہاؤ الدین کی علم حساب سے متعلق ایک اہم تصنیف  
 ہے۔ ملا عصمت اللہ نے اسکی شرح بہت ہی عمدہ انداز سے کی ہے جس سے  
 ان کی قابلیت اور فن ریاضی پر مکمل عبور کا پتہ چلتا ہے۔ مصنف اور شارح دونوں  
 ہم عصر ہیں اور ان کی وفات میں صرف چھ سال کا وقفہ ہے۔

ملا عصمت اللہ نے اپنی شرح کے آغاز میں ایک مختصر مقدمہ لکھا ہے  
 جس میں علم الحساب کی اہمیت پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور خلاصۃ الحساب کی تعریف  
 کی ہے۔

کتاب کے متن میں علم الحساب کی تعریف کرتے ہوئے الفوں نے لفظ  
 ریاضی کے معنی پر مفصل بحث کی ہے اور یہ بتلایا ہے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا۔ الفوں نے  
 بتایا ہے کہ اس کا نام ریاضی اس وجہ سے رکھا گیا کہ اس سے ذہنی تربیت ہوتی ہے۔  
 عہد قدیم کے فلاسفہ اس کو دوسرے تمام علوم پر بشمول منطق ترجیح دیتے تھے۔ پھر الفوں  
 نے یہ بحث کی ہے کہ ہندسہ علم الحساب کا اصل موضوع ہے یا نہیں اور بطور سند یوحنا

(۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ۲/ ۱۱۹

سینا کا قول پیش کیا ہے۔ کہ ریاضی داں کسی موضوع سے تعلق کے بغیر مجرد ہندسہ سے بحث کرتا ہے۔ ملاصحت اللہ نے اس قول پر تنقید کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ مجرد ہندسہ اس علم کا موضوع نہیں ہے۔

بہاء الدین نے ہندسہ کی تعریف یہ کی ہے کہ یہ ایک تعداد ہے جو ایک اکائی یا اکائیوں کے مجموعہ پر منطبق کی جاسکتی ہے۔ ملا صاحب نے اس تعریف کو ناقص قرار دیا ہے کیونکہ اس میں کسروں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہ تجویز کیا ہے کہ ہندسہ کی تعریف یوں کی جائے کہ یہ ایک تعداد ہے جو ایک اور ایک کی کسریاں ایک کے اضعاف پر منطبق کی جاسکتی ہے۔

یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ اگرچہ ہندسوں کا علم الحساب سے بہرہ تعلق ہے تاہم اصل کتاب یا اسکی شرح میں ان کا استعمال شاذ و نادر ہی ہوا ہے۔

اصل کتاب کے مصنف نے جو قصبے لکھے ہیں ان کی تشریح کرتے ہوئے شارح نے بعض جگہ کچھ اور قصوں کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً اصل کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ سے یہ پوچھا گیا کہ وہ کون سا عدد ہو سکتا ہے جو ایک سے لیکر نو تک سب ہندسوں سے پورا تقسیم کیا جاسکے۔ حضرت علیؑ نے فرمایا کہ سال کے ایام کو ہفتہ کے ایام سے ضرب دید و یعنی ۳۶۰ ضرب ۷ اور اس کا جواب ہے ۲۵۲۰۔ اس قصبہ پر تبصرہ کرتے ہوئے شارح نے تین اور قصبے بیان کئے ہیں جو سب حضرت علیؑ سے متعلق ہیں۔ اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو علم حساب میں غیر معمولی کمال حاصل تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس قسم کے قصبے بر بناء عقیدت حضرت علیؑ



کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

یہ شرح بہت معلومات افزا اور مفید ہے اور اس سے شارح  
کی علم ریاضی میں قابلیت کا ثبوت ملتا ہے اس میں متن کی تمام مشکلوں کو آسان  
کر دیا گیا ہے<sup>(۱)</sup>۔

---

(۱) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ / ۱۶۷-۱۶۶

## عبد السلام لاہوری (م ۱۳۷۷ھ)

وہ اپنے وقت کے بہت بڑے فقیہ، مفسر، مفتی اور جامع منقول و معقول تھے۔ ان کو علم و فن سے بہت لگاؤ تھا۔ حتیٰ کہ اتنا زیادہ پڑھنے والا کوئی اور مشکل سے رہا ہوگا۔ کتب درسی شیخ اسحاق<sup>(۱)</sup> سے پڑھیں۔ شیخ سعد اللہ اور قاضی صدر الدین<sup>(۲)</sup> سے بھی کسبِ علم کیا۔ حکمت فتح اللہ شیرازی<sup>(۳)</sup> سے سیکھی، لاہور میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور پچاس سال تک اسے جاری رکھا۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی<sup>(۴)</sup>، مفتی عبد السلام دیوبند<sup>(۵)</sup>، محمد میر بن قاضی سائیں وغیرہ ان کے مشہور شاگرد ہوئے۔

مآثر الکرام میں ان سے منقول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ میں جب علم کے کسی بھی دروازے پر قدم رکھتا ہوں تو اس دروازے سے اور بھی بہت سے دروازے کھل جاتے ہیں اور میں اس علم سے کوسرے بہت سے علوم تک پہنچ جاتا ہوں۔ اگر میں چاہوں تو ان کو لکھ کر ایک مستقل چیز بنا سکتا ہوں۔ لیکن مجھے پڑھانے سے اتنی فرصت نہیں ملتی کہ یہ کام انجام دے سکوں۔ جب میں بڑھا ہواؤں کا ادر میرے

(۱) نزہۃ الخواطر ۵/۷۰

(۲) نفس مصدر ۱۵۶

(۳) نفس مصدر ۱۷۷

(۴) نفس مصدر ۳۰۳

(۵) نفس مصدر ۲۳۲

(۶) نفس مصدر ۲۲۲

اعضاض ہو جائیں گے تو مجھے اس کا افسوس ہوگا اور ہوا بھی ایسا ہی۔ آخر  
عمر میں ان کو اپنی اس کوتاہی پر بہت افسوس تھا۔<sup>(۱)</sup>

وہ ایک مدت تک مفتی بھی رہے اور پوری دیانت داری سے اس ذمہ  
داری کو ادا کرتے رہے الغول نے بیضاوی کی ایک شرح لکھی جو بہت مشہور ہوئی۔  
۱۰۳۷ھ میں ان کا انتقال ہوا۔<sup>(۲)</sup>

### حاشیہ بیضاوی :-

اس حاشیے کا اصل نام ”تفسیر زہرا دین“ ہے۔ جیسا کہ کتاب کے  
خاتمے پر لکھا ہے۔

”تم تفسیر الزہرا دین بتوفیق اللہ تعالیٰ والحمد للہ علی ذالک“  
یہ حاشیہ ۱۲۷۲ھ دراق پر مشتمل ہے اس کا قلمی نسخہ رام پور کے  
کتب خانے میں موجود ہے اس حاشیے میں شروع کلام یا ک سے سورہ آل عمران  
تک کی شرح ہے۔ ابتدائی الفاظ یہ ہیں۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم، قولہ الحمد للہ الذی  
نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیراً۔

اس حاشیے میں بہت سی جگہوں پر باتیں کافی لمبی ہو گئی ہیں اور  
یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ مطلب کیا ہے۔ متن و حاشیہ اس طرح مخلوط ہیں کہ ایک کور  
کو علیحدہ کرنا مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ خاتمہ یہ ہے۔ (صلی صیام رمضان ہو یا الفتح

(۱) مآثر الکرام ۱/۲۳۶

(۲) نزہۃ الخواطر ۵/۳۲۳

## تاج الدین نقشبندی (م ۱۰۵۰ھ)

شیخ تاج الدین بن زکریا بن سلطان عثمانی حنفی نقشبندی سہیل میں پیدا ہوئے۔ علوم کی تحصیل کے بعد تکمیل باطن کے لئے اجمیر اور تاگور گئے۔ پھر اللہ بخش شطاری کے مرید ہوئے اور ان سے کئی طریقوں میں اجازت حاصل کی خواجہ باقی باللہ لاہور پہنچے تو ان کو ایک خط لکھا جسکی بنا پر شیخ تاج الدین خواجہ صاحب کی خدمت میں پہنچے اور تین ہی دن میں نقشبندیہ کے مدارج سلوک طے کئے۔ اور سب سے پہلے اجازت بیعت حاصل کی۔ آپ خواجہ صاحب کے یہاں کچھ مدت تک یک جان و دو قالب ہو کر رہے۔ پھر خواجہ صاحب کی وفات کے بعد مختلف علاقوں کی سیر کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہنچے اور لاتعداد اکابر نے ان سے تربیت حاصل کی۔ جادی الاولیٰ ۱۰۵۰ھ / ۱۶۴۰ء میں انتقال ہوا۔ اور جبل قیعان (مکہ معظمہ) کے قریب دفن ہوئے۔

آپ نے متعدد تصانیف لکھیں ان میں ”تربیب النفحات (جامی کی نفحات کا عربی ترجمہ)، تربیب الرشحات (حسین کا شفی کی رشحات کا عربی ترجمہ)، آداب المریدین، رسالہ فی طریق السادات النقشبندیہ، و شرحہ مفتاح المعیة الصراط المستقیم، الفحات الالہیۃ فی موعظۃ النفس الزکیۃ، جامع الفوائد، رسالہ فی انواع الاطعمۃ، رسالہ فی کیفیۃ غرس الاشجار وغیرہ قابل ذکر ہیں۔“<sup>(۱)</sup>

(۲) نزہۃ الخواطر ۵/۱۰۲-۹۹، خلاصۃ الاثر ۴/۴۷

(۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں / ۱۸۳۳ء

شیخ تاج الدین بن زکریا نقشبندی نے تصوف کے موضوع پر جو متعدد رسالے لکھے ہیں۔ ان میں ”الرسالة فی طریق السادات النقشبندیة“ برلن کی لائبریری نمبر ۲۱۸۶ میں رسالہ کا جو نسخہ موجود ہے۔ اس کا نام یوں دیا گیا ہے ”رسالة جلیلة ونبذة عظيمة فی سلوک خلاصة السادة النقشبندیة الصدیقیة“ اور مصنف کا نام یوں درج ہے۔ تاج الدین بن زکریا بن سلطان الشیرازی الہندی القرشی العثماني۔ اس میں الفوں نے نقشبندی سلسلے کے بارے میں بڑے عمدہ اور جامع انداز میں بحث کی ہے۔ رسالے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مشہور عالم و صوفی شیخ عبد الغنی نابلسی (۱۲۳۰ھ) نے ”مفتاح المعیة فی طریق النقشبندیة“ کے نام سے اسکی مفصل شرح لکھی ہے۔ شیخ تاج الدین اس بات پر بختہ ایمان رکھتے ہیں کہ نقشبندی طریقت دراصل اہل سنت کا طریقہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔

”اعلم وفقك الله تعالى ان محقق السادة النقشبندیة قدس الله

تعالى اسرارهم هو معتقد اهل السنة والجماعة و طريقهم دوام العبودية التي لا

تتصور لجبر اداء العبادة

رسالے میں نقشبندی طریقت کے چھ طریقے یا اسلوب ذکر و عبادات بیان

کئے گئے ہیں“ (۱)۔

## محمد ہاشم الحسینی (۲۰۴۱-۱۴۱۱ھ)

محمد ہاشم حسینی ابن امیر قاسم الجیلانی نے مرزا ابراہیم ہمدانی اور نصیر الدین شیرازی سے کسب فیض کیا۔ فقہ، حدیث اور عربی زبان کی تعلیم شیخ محمد عربی، شیخ عبدالرحیم حسائی اور علامہ عصام الدین اسقرائنی سے حاصل کی۔ بارہ سال تک حرمین شریفین میں رہے پھر ہندوستان آئے۔ ریاضی اور طب شیخ علی گیلانی سے سیکھا اور احمد آباد میں مقیم ہوئے۔ تقوڑنے ہی عرصے میں ان کی شہرت دور دور تک پھیل گئی تو شاہ جہاں کے دور میں احمد آباد میں صدارت کا عہدہ ان کے سپرد ہوا۔ اورنگ زیب کے معلم مقرر ہوئے۔ ”حاشیہ علی ترمیم اقلیدس“ اور تعلقات بیضادی ان کی مشہور تصانیف ہیں<sup>(۱)</sup>۔

الیشیائٹک سوسائٹی بنگال میں ان کی تصنیف ”تیسیر التفسیر“ کا قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس میں ۱۷۳ اوراق ہیں۔ کتاب کے پہلے صفحہ پر بہت سی مہرین ہیں جن میں سے نصرت جنگ اور محمد شاہ بادشاہ غازی کی مہرین پڑھی جاتی ہیں۔ محمد شاہ کی مہر ۱۱۳۶ ہجری ہے۔ شروع کے دو صفحہ خوبصورت سنہرے حواشی کے بیچ میں لکھے ہیں۔ شروع میں دیباچہ کے انداز پر ایک کافی طویل مضمون لکھا ہے جس میں تفسیروں مثلاً بیضادی، کشاف، تفسیر کبیر، تفسیر نیشاپوری وغیرہ کا ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے پیش نظر رکھا ہے کہ بیضادی کی مشکل عبارتوں

کی توضیح اور کشفان کے مسائل کی تفصیل و تشریح کریں گے۔ اور بہت ہی تفصیل کلام کیا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تقریباً ساڑھے تین سو صفحات میں محض سورہ فاتحہ کی تفسیر کی ہے۔

انھوں نے اپنی اس تفسیر کو شاہ جہاں کے نام سے منسوب کیا ہے اور بادشاہ کو فخر خلائق، حسام قاطع، شہابِ سا طع، عالی منزلت اور رفیع الشان کہا ہے۔ اس کتاب کی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے۔  
”الحمد لله كشف ظلم الخواية بالوارتنزيل الهداية“

مصنف نے اپنے طویل مقدمے میں بہت سی باتوں کا ذکر کیا ہے مثلاً یہ کہ قرآن مجید کو لوگ کتنی طرح پڑھتے ہیں مشہور قراءتیں کون کون سی ہیں۔ قاریوں کے نام اور مشہور ائمہ قرأت کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

قرآن کے جمع و ترتیب کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ جنگِ یمامہ میں حفاظ کی شہادت اسکا سبب بنی۔ قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد میں بہت سے لوگوں کو اختلاف ہے۔ ویسے تو اس میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ مگر بعض لوگ کچھ سورتوں کو دعا قرار دیتے ہیں اور بعض کچھ دعاؤں کو سورتوں کا درجہ دیتے ہیں۔ نیز بعض دو سورتوں کو ایک ہی تسلیم کرتے ہیں۔ اور بعض الگ الگ۔ قرآن کے مختلف نام، مکی و مدنی آیتوں کی توضیح، نسخ و منسوخ کا ذکر، تفسیر و تاویل کی لفظی تشریح اور احجاز قرآن کو بیان کیا ہے۔ لہذا اس سورہ فاتحہ کی تفسیر بیان کی ہے۔ اس تفسیر کا رنگ زیادہ تر فلسفیانہ ہے۔ کتاب کا خاتمہ یہ ہے۔

”الحمد لله رب العالمين على اختتام فاتحة الكتاب ولستين  
 لفضله على الاتمام ببركة سيد الانام وآله الكرام العظام عليه وعليهم  
 افضل الصلوة والسلام“<sup>(۱)</sup>

---

(۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں / ۱۳ - ۱۱۱



## شیخ معین الدین کشمیری (۱۰۸۵ھ)

خواجہ معین الدین بن خواجہ خاوند محمود اپنے دور کے مشہور عالم اور مشائخ نقشبندیہ میں بلند مرتبہ کے مالک تھے۔ خزینۃ الاصفیاء کے مؤلف رقمطراز ہیں۔ ”از عظمائے مشائخ و کبرائے علمائے کشمیر جنت نظیر است در زہد و ورع و تقویٰ و اتباع شریعت و ترویج لبسنت و ترفیع بدعت ثانی نہداشت الخ“<sup>(۱)</sup>

کشمیر میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے کسب علم کیا۔ بعد ازاں دہلی میں شیخ عبدالحق دہلوی کے شاگرد ہوئے۔ ایک زمانے تک حدیث وفقہ کا درس لیتے رہے۔ تحصیل علم کے بعد وطن واپس آئے اور مسند درس و ارشاد و افتاء پر رونق افروز ہوئے۔ بڑے بڑے علما ان سے رجوع کرتے تھے۔ امراء بھی ان کی قدر کرتے تھے۔

ان کی تصانیف میں فتاویٰ نقشبندیہ، کنز السعادة اور رسالہ رضوانی (تصوف میں) شرح القرآن (فارسی) اور زبدۃ التفاسیر (عربی) قابل ذکر ہیں۔ الفوں نے ”صحیح بخاری“ کی بھی کتابت کی تھی۔ ان کا انتقال ۱۰۸۵ھ میں بمقام کشمیر ہوا۔<sup>(۲)</sup>

(۱) خزینۃ الاصفیاء

(۲) نزهة الخواطر ۵/۴۰۷-۴۰۶، تذکرہ علماء ہند/۵۰۱-۵۰۰، حقائق الحنفیہ/۴۲

## زبدۃ التفاسیر :

یہ قرآن کریم کی مکمل تفسیر ہے۔ اس کے تین نسخوں کا پتہ چلا ہے۔ دو ہندوستان میں اور ایک کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں۔ ان تینوں نسخوں میں قدرے تفاوت ہے۔

سیدھے سادھے انداز کی تفسیر ہے۔ مصنف نے یہ کوشش کی ہے کہ مختصر طور پر آیات کے معانی و مطالب ذہن نشین کر دیئے جائیں۔ اسی وجہ سے الفوں نے دوسرے مفسرین کے حوالے اور اقوال نہیں دیئے ہیں بلکہ خود ہی مختصر انداز میں مطالب بیان کر دیئے ہیں۔ تمام مسائل کو الجھائے بغیر بیان کر دیا ہے۔

یہ پوری تفسیر محفوظ اور اچھے حال میں ہے لکھائی بہت صاف ہے ہر صفحہ پر چوڑے سنہرے حاشیہ ہے<sup>(۱)</sup>۔

---

(۱) ہندوستانی مفسرین / ۷۷ تا ۸۰

## ملاشاہ بدخشی (۲۱ ۱۰۷۲ھ)

شاہ محمد بن ملاعبیدی حنفی صوفی معروف بہ ملاشاہ بدخشی، بدخشاں کی ایک بستی ارکسال میں پیدا ہوئے، ہندوستان آئے اور شیخ محمد میر لاہوری سے کسب فیض کیا، مرشد کی وفات کے بعد کشمیر چلے گئے، اور جبل سلیمان پر ایک مسجد اور خانقاہ بنوائی اور وہیں رہنے لگے۔

عمل صالح میں لکھا ہے کہ ۱۰۲۳ھ میں ہندوستان آئے۔ شیخ محمد میر کے ساتھ ایک مدت تک رہے۔ پھر شیخ کی زندگی ہی میں کشمیر چلے گئے۔ پھر ان کی عادت ہو گئی کہ وہ گرمی کا موسم کشمیر میں اور سردی کا موسم لاہور میں گزارتے، ریاض الشعراء میں تھری رہے کہ شاہ جہاں جب کشمیر جاتا تو ان سے ملتا اور ان کی گفتگو سے محفوظ ہوتا تھا۔ شاہ جہاں کا بیٹا دارا شکوہ اور بیٹی جہاں آرا بیگم ان کے مرید تھے۔ بڑے عارف اور مغلوب الحال بزرگ تھے۔

قرآن کریم کی ایک غیر مکمل تفسیر لکھی اور یہ تفسیر مفسرین کے انداز سے بہت مختلف تھی۔ انہوں نے آیت کریمہ ”ختم اللہ علی قلوبہم وعلی سمعہم وعلی ابصارہم غشاوۃ ولہم عذاب عظیم“ کی تفسیر اولیاء اللہ کے بارے میں اس طرح کی ہے۔ کہ اللہ نے اولیاء کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تاکہ شیطانی خیالات اور وسوسہ داخل نہ ہو سکیں۔ اور کانوں پر مہر اس لئے لگا دی تاکہ وہ بے فائدہ

کلمات نہ سنیں۔ اور ان کی آنکھوں پر اپنی عظمت و کبریاؤ کے پردے  
 ڈال دیئے۔ اور ان کے سینے کے لئے نہایت ہی شیریں پانی ہوگا۔ ۱۰۷۲ھ  
 میں ان کا انتقال ہوا۔<sup>(۱)</sup>

## سید صیغۃ اللہ بھڑوچی (۱۰۱۵۲/۱۴۰۶ھ)

ان کا پورا نام سید مجد الدین بن روح اللہ حسینی ہے۔ گجرات کے قصبہ بھڑوچ میں پیدا ہوئے۔ شیخ وجیبہ الدین علوی گجراتی کے شاگرد اور مرید خاص تھے۔ ایک مدت تک اپنے مرشد کے حکم کے مطابق درس و ارشاد میں مشغول رہے۔ پھر حرمین وغیرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ واپس بھڑوچ میں آئے، مالوہ اور احمد نگر کا بھی سفر کیا۔ احمد نگر میں سلطان برہان الملک کے پاس اقامت کی۔ پھر حرمین کے ارادے سے بیجا پور کا سفر کیا۔ جہاں سلطان ابراہیم نے پورا اعزاز کیا۔ اور آپ کا زاد سفر تیار کر کے خاص جہاز پر سوار کیا۔ حرمین کی زیارت سے فراغت کے بعد آپ نے مدینہ منورہ میں جبل احمد کے پاس اقامت کی۔ اور جواہر خفہ کو معرب کرنا شروع کیا۔ آپ نے شاگرد شیخ احمد شناوی نے اس پر حاشیہ لکھا۔ آپ کی تصانیف میں جواہر خفہ معرب کتاب الوحدة، رسالۃ ارادة الدقائق فی شرح مرآة الحقائق، مالا یسع للمريد اور حاشیہ بیضاوی قابل ذکر ہیں۔ شاگرد و مریدوں میں احمد شناوی، حسن قراچی، حبیب اللہ اور عبد العظیم مشہور ہوئے۔ مدینہ منورہ میں ۱۰۱۵ھ/ ۱۴۰۶ء کو انتقال ہوا۔ (۱)

(۱) نزہۃ الخواطر ۱/۵-۱۷۵، تذکرہ علماء ہند ۲/۲۵۵، حقائق الخفیہ ۱/۱۰۱، رد

کوثر ۳۲۱-۳۳۹، البجۃ العلوم ۸۹۸

## حاشیہ بیضاوی ! حاشیہ علی الوار التنزیل ..

ان کا حاشیہ بیضاوی الیشیاطک سوسائٹی کلکتہ میں ایک مجموعہ میں بیضاوی کے دو اور حاشیوں کے ساتھ ہے۔ پہلا حاشیہ ان کا ہے دوسرا ناقص ہے تیسرا محمد بن شیخ صفی الدین کا ہے۔ مولانا صیغت اللہ کا حاشیہ صرف سورۃ الحمد تک ہے الفوں سے ا سے مدینہ میں لکھا تھا ان کا ارادہ تھا کہ آئندہ ا سے مکمل کریں گے مگر غالباً ا سے مکمل نہ کر سکے۔ اسکو شیخ بن الباس نے مرتب کیا تھا اور ۱۰۳۱ھ میں عبدالمالک بن ملا حمزہ نے نقل کیا۔ اسکی ابتدا ان الفاظ سے ہوتی ہے

”الحمد لله الذي نزل الفرقان على عبده ليكون نذيراً“ اپنے مقدمہ

میں علم تفسیر کے متعلق لکھتے ہیں۔

”تفسیر وہ علم ہے جس کے ذریعہ بقدر طاقت بشری کلام الہی کے مطالب روایت و درایت کے اعتبار سے کئے جائیں۔ اس طرح تفسیر و تاویل ایک ہو جاتے ہیں لیکن دوسرے لوگوں نے کہا ہے کہ روایت کے ذریعہ جو معنی بیان کئے جاتے ہیں وہ تفسیر ہے اور بذریعہ درایت جو مطالب بتائے جاتے ہیں وہ تاویل ہے۔ تفسیر کی تعریف بیان کرنے کی وجہ سے حاشیہ کافی طویل ہو گیا۔ ۹۵ اوراق میں محض مقدمہ اور الحمد کی تفسیر ہو سکی ہے۔“<sup>(۱)</sup>

(۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں /

## قاضی محمد اسلم (م ۱۰۱۴ھ)

عالم، فقیہ، جامع منقولات و معقولات تھے۔ ہرات میں پیدا ہوئے۔ اور طلب علم کی غرض سے لاہور آئے اور شیخ بہلول کے حلقہ درس میں شرکت کی۔ اگرہ میں میر کلاں محدث جو کہ آپ کے رشتہ دار تھے۔ ان کے واسطے سے دربار جہانگیری میں یاریاں ہوئے اور کابل کے قاضی بنائے گئے۔ پھر کابل سے بلاکرفوجی عدالت کا منصب قضا آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ جب شاہ بچھاں تخت نشین ہوا تو اس نے قضا کے علاوہ ہزاری منصب بھی عطا کیا۔ تیس سال تک نہایت دیانت سے قضا کے فرائض انجام دیئے۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے آپ کو میزان میں تلوا یا اور وزن کے برابر ساڑھے چھ ہزار روپے آپ کو عنایت کئے آپ کی وفات ۱۰۹۱ھ میں ہوئی۔ لاہور میں دفن ہوئے۔<sup>(۱)</sup>

(۱) حقائق الحنفیہ / ۲۱۲، تذکرہ علمائے ہند / ۱۱-۱۲

## محمد افضل جو نیوری

امام المنطق والفلسفہ، یگانہ دوراں، زاہد و عابد اور نہایت متواضع تھے۔ تمام عمر درس و تدریس میں بسر کردی اور ایسے قابل تلامذہ یا دگار چھوڑے جنکا ہندو بیرون ہند ثانی نہیں تھا۔ ملا محمود جو نیوری ان ہی کے لائق شاگرد تھے جن کے انتقال کے غم میں وہ بھی چالیس روز بعد ۱۰۶۲ھ میں فوت ہو گئے۔<sup>(۱)</sup>

اس دور کے دیگر ممتاز اہل علم یہ ہیں۔

(۱) مولانا شکر اللہ شیرازی<sup>(۲)</sup>

(۲) نواب سعد اللہ خاں<sup>(۳)</sup>

(۳) علاء الملک تونسوی فاضل خاں<sup>(۴)</sup>

(۴) قاضی محمد اسلم ہروی<sup>(۵)</sup>

(۵) مولانا محمد یعقوب لاہوری وغیرہ<sup>(۶)</sup>

(۱) حدائق الحنفیہ / ۴۱۳

(۲) حالات کے لئے دیکھئے عمل صالح / ۳ / ۳۸۵

(۳) نفس مصدر / ۳۸۴

(۴) نفس مصدر / ۸۶۷-۳۸۷

(۵) تذکرہ علمائے ہند / ۱۷۸

(۶) عمل صالح ج ۳ / ۳۹۲



## مصادر وماخذ

- (۱) الاداب الرشیدیہ دیوان علیہ الرشید جونپوری
- (۲) آئین الہبری ابو الفضل علّامی، مطبع اسماعیلی دہلی ۱۲۷۲ھ
- (۳) اتحاف النبلاء صدیق بن حسن خان، المطبعة الصدیقیہ بھوپال ۱۸۷۸ھ
- (۴) اشباب النبوة شیخ احمد سرہندی، انجمن ترقی اردو دہلی ۱۳۸۳ھ
- (۵) اخبار الاخیار شیخ عبدالحق دہلوی، مکتبہ دالش دیوبند
- (۶) اشعة اللغات " نو لکچور لکھنؤ
- (۷) الافاضة القدسیہ فی المباحث الحکمیہ، محمد شریف، ۱۳۲۶ھ
- (۸) انشائے فیضی مخطوطہ مولانا آزاد لائبریری ۵۹ء، ایم یو علی گڑھ
- (۹) برہان (ماہنامہ) ایڈیٹر سعید احمد آباری، ندوۃ المصنفین دہلی
- (۱۰) بزم تیموریہ صباح الدین عبدالرحمن، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۸ء
- (۱۱) تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، جلد دوم و چہارم، فیاض محمود و عبدالقیوم، پنجاب یونیورسٹی، لاہور
- (۱۲) تاریخ سندھ ابو ظفر ندوی، دار المصنفین اعظم گڑھ
- (۱۳) تاریخ صوفیائے گجرات، ظہور الحسن شارب، جمیل الہدی احمد آباد ۱۹۸۱ء
- (۱۴) تاریخ ہندوستان محمد ذکاء اللہ دہلوی، علی گڑھ ۱۹۱۷ء
- (۱۵) تذکرۃ الحفاظ شمس الدین ذہبی، دائرہ معارف عثمانیہ حیدرآباد ۱۹۵۶ء
- (۱۶) تذکرہ مجدد الف ثانی محمد منظور لغانی، الفرقان لکھنؤ ۱۹۹۲ء

- (۱۷) تذکرہ شعراء کشمیر حسام الدین راشدی، اقبال اکادمی کراچی ۱۹۶۸ء  
 (۱۸) تذکرہ صوفیائے سندھ اعجاز الحق قدوسی، اردو الیڈمی سندھ کراچی ۱۹۵۹ء  
 (۱۹) تذکرہ علمائے ہند رحمان علی/محمد ایوب قادری، ہسٹاریکل سوسائٹی پاکستان ۱۹۶۱ء

- (۲۰) تذکرۃ الموضوعات محمد بن طاہر بیہقی، قاہرہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۳ء  
 (۲۱) التسبیۃ بین الافادۃ والقبول، محب اللہ الہ آبادی، مخطوطہ عبدالحئی کلشن ۱۰۹۸/۸۲  
 مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

- (۲۲) تلمذہ عبد الغفور عبد الحکیم سیالکوٹی، نولکشور لکھنؤ  
 (۲۳) توزک جہانگیری جہانگیر بادشاہ، نولکشور لکھنؤ  
 (۲۴) الثقافۃ الاسلامیۃ فی الهند، عبدالحئی الحئی، دمشق ۱۳۷۷ھ  
 (۲۵) حدائق الخفویۃ فقیہ محمد جہامی، نولکشور لکھنؤ ۱۹۳۰ء  
 (۲۶) حیات شیخ عبدالحق خلیق احمد نظامی، ندرۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۳ء  
 (۲۷) حیات مجدد محمد فرقان، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۸ء  
 (۲۸) الحاشیۃ علی میر قطبی عبد الحکیم سیالکوٹی، مطبع امیریہ ۱۳۲۳ھ  
 (۲۹) خزینۃ الاصفیاء غلام سرور لاہوری، لاہور ۱۸۷۲ء  
 (۳۰) خلاصۃ الاثر محمد امین بن فضل اللہ محبی، مصر ۱۲۸۲ھ  
 (۳۱) دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور  
 (۳۲) دربار اکبری محمد حسین آزاد، لاہور ۱۹۲۷ء  
 (۳۳) دستور المعسرین عماد الدین عید النبی اکبر آبادی، مخطوطہ عبدالحئی کلشن،

مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ

(۳۴) ذخیرۃ الخواصین شیخ فرید ہیکریؒ ۱۹۶۱ء

(۳۵) رجال الهند والهند قاضی اطہر مبارکپوری، مطبع حجازیہ ممبئی ۱۸۵۸ء

(۳۶) رود کوثر شیخ محمد اکرام، ادبی دنیا دہلی ۱۹۹۱ء

(۳۷) زبدۃ المقامات محمد ہاشم کشمیری، نولکشور لکھنؤ ۱۸۹۰ء

(۳۸) سبحة المرجان غلام علی آزاد بنگرامی، ممبئی ۱۳۰۳ھ

(۳۹) سفینۃ الاولیاء دار الشکوہ، آگرہ ۱۸۵۳ء

(۴۰) سحر طبع الالہام ابو الغیض فیضی، نولکشور لکھنؤ ۱۸۸۹ء

(۴۱) شعر العجم شبلی نعمانی، دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۹۲۷ء

(۴۲) الشمس البازغة محمود جوہر پوری، نولکشور لکھنؤ ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء

(۴۳) طبقات اکبری بخش نظام الدین، ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۱۲ء

(۴۴) عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، زبید احمد

(۴۵) عربی زبان و ادب عہد مغلیہ میں، شبیر احمد قادر آبادی، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۸۲ء

(۴۶) علماء ہند کا شاندار ماضی، محمد میاں، کتابستان دہلی

(۴۷) عمل صالح محمد صالح کنیوہ

(۴۸) الفرائد علاء محمود جوہر پوری

(۴۹) الفہرست ابن ندیم، مطبع ازہریہ مصر ۱۹۲۹ء

(۵۰) کتاب الانساب عبد الکریم سمعانی، دائرہ معارف حیدر آباد ۱۹۷۶ء

(۵۱) کواکب مسعود انور علوی، نشاط آفیسٹ پریس ٹانڈہ فیض آباد ۱۹۸۷ء

- (۵۲) گجرات کی تمدنی تاریخ ایوٹفر ندوی
- (۵۳) لمعات التنتیج عبدالحق محدث دہلوی، المعارف العلمیہ لاہور ۱۳۹۰ھ
- (۵۴) مآثر الامراء شاہنواز خان، ایشیا ٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۹۱ھ
- (۵۵) مآثر رحیمی عبدالباقی بہاوندی
- (۵۶) مآثر اللہرام غلام علی آزاد بنگرامی، آگرہ ۱۳۱۰ھ
- (۵۷) مجمع بحار الانوار محمد بن طاہر بیہقی، نوٹکشور لکھنؤ ۱۳۱۲ھ/ ۱۸۹۶ھ
- (۵۸) محبوب الالباب فی تعریف الکتاب والکتب، خدا بخش خان، مطبع مقنن حیدر آباد ۱۳۱۲ھ
- (۵۹) مختصر تاریخ ہند ایوٹفر ندوی، دارالمصنفین اعظم لڑھ ۱۹۷۸ھ
- (۶۰) مرآة الحقائق منشی برکت علی حق
- (۶۱) مروج الذهب ج اول سعودی، المطبعة البہیہ مصر ۱۹۲۷ھ
- (۶۲) معارف (ماہنامہ) دارالمصنفین اعظم لڑھ
- (۶۳) معجم البلدان ج ۵ یاقوت الحموی، سعاده مصر ۱۹۰۶ھ
- (۶۴) معجم المطبوعات العربیہ والمغربیہ، یوسف الیان سرکس، مطبعة سرکس، مصر، ۱۳۶۴ھ/ ۱۹۲۸ھ -
- (۶۵) المغالط العامہ محب اللہ الہ آبادی، یونیورسٹی عربیہ علوم ۱۳۸۱ھ، مولانا آزاد لائبریری علی لڑھ
- (۶۶) منتخب التواریخ عبد القادر بدایونی، کالج پیر لیس کلکتہ ۱۸۶۹ھ
- (۶۷) موارد العلم ابو الفیض فیضی، مطبع ماہر فن ہدایت اللہ ۱۲۴۱ھ

- (۶۸) میخانہ عبد البنی قزوینی
- (۶۹) نزهة الخواطر عبد الحئی حسنی، دائرة المعارف حیدرآباد ۱۹۵۹ء
- (۷۰) النور السافر عبد القادر عیدروس، شاہی پیرس لکھنؤ
- (۷۱) ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں، محمد سالم قدوائی، مکتبہ جامعہ لمیٹید نئی دہلی ۱۹۷۳ء
- (۷۲) ہندوستانی سلاطین اور علماء و مشائخ کے تعلقات پیر ایک نظر، صباح الدین عبد الرحمن،
- (۷۳) یادایام عبد الحئی حسنی